بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجد

WAJD

ماجد جہانگیر مرزا

وجد

WAJD

ماجد جہانگیر مرزا

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	وجد
شاعر	:	ماجد جہانگیر مرزا
موبائیل نمبر	:	0333-5483691 0300-8327989 (whatsapp)
اہتمام	:	ارشد ملک
زیرِ نگرانی	:	سید وسیم عباس
پروجیکٹ کوارڈینیٹر	:	عادل حسین مغل
کمپوزنگ/سرورق	:	خاوری 03335115088
موسمِ اشاعت	:	جنوری سنہ 2019
تعداد	:	500
مطبع	:	فیض الاسلام پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

قیمت 450 روپے

Price US$.15/-

ادارہ ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔اشاعتِ کتب کا مقصد کسی کی دل آزاری یا ضرر رسانی نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ،طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو از راہِ کرم مطلع فرمائیں۔انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔(ادارہ)

رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز

اقبال مارکیٹ اقبال روڈ رکمیٹی چوک راولپنڈی Ph: 051-5551519

ڈسٹری بیوٹر اشرف بک ایجنسی 051-5531610

کمیٹی چوک، اقبال روڈ، راولپنڈی

معیاری اور خوبصورت کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں : 051-5551519

انتساب

میری شریکِ حیات

ثاقبہ مغل

اور

میرے بچوں

مرزا فخر ماجد

مرزا آفاق ماجد

ارفع مرزا

کے نام

سخنِ اردو

مجھے تو عشق کا مطلب یہی سمجھ آیا
دوئی کمال کو پہنچے اکائی ہو جائے

ترتیب

ماجد جہانگیر مرزا کی نئی کتاب ''وجد'' کی وجدانی کیفیات ۱۳
نعت ۲۲
غزلیں
پھیلی ہوئی ہے دہر میں سب کوزہ گری ہے ۲۵
تمہارے عشق کی لَو میں دھمال ڈالوں گا ۲۶
کرنا ہے اب سفر مجھے تازہ ہوا کے ساتھ ۲۷
کرب بڑھتا جا رہا ہے بام و در کو دیکھ کر ۲۸
عجیب بوجھ ہے دل پر سمجھ سے باہر ہے ۲۹
نایاب اس قدر مجھے تحفہ نہ دیجیے ۳۰
نجانے کون سے لمحے جدائی ہو جائے ۳۱
بیعت تو کر لی تم نے کسی اور ہاتھ پر ۳۲
بے دخل دل سے میں نے کیا خواہشات کو ۳۳
کیا خبر کب تک ہجومِ دہر کا حصہ رہوں ۳۴
یادوں کا اک حشر بپا ہے کمرے میں ۳۵
گر چند لفظ حق میں مرے یار بولتے ۳۶
جب تک ہوا کے ساتھ مراسم بحال تھے ۳۷
باپ زندہ پھر رہا ہے اور بیٹے مر گئے ۳۸
اک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جنگ ہے ۳۹
بنجارہ بن گیا کوئی در ڈھونڈتا رہا ۴۰
دل کی زمیں کو وجد میں لایا نہیں گیا ۴۱

پھڑ پھڑاتی ہے قفس میں قہر ڈھائے زندگی	۴۳
دراصل کہیں اور دکھانے کے لیے تھا	۴۴
اک حرفِ ناتمام ہوں آگے کی بات چھوڑ	۴۵
صبح جاگا رات نے روندا مجھے	۴۶
یوسف کی طرح مجھ کو بھی بازار ملے گا	۴۷
دل و نگاہ میں ہلچل مچائے پھرتا ہے	۴۸
الفاظ کو قرطاس کی سولی پہ چڑھایا	۴۹
بے سبب حالات کا ماتم کیا	۵۰
ایک ذرے کو کہاں لے جائے گا	۵۱
اک بار تو نکال اسے درمیان سے	۵۲
ورق پر حادثے کچھ تھے اُبھارے	۵۴
ہے راستہ دشوار کئی بار ہوا ہے	۵۶
تیری آہٹ جب سنائی دے مجھے	۵۷
کچھ ہاتھ لگ ہی جائے گا آوارگی کے بعد	۵۸
ہر اک کا احترام کیا میں نہیں رہا	۵۹
مت بے حساب حسنِ کرامات کیجیے	۶۰
اتنا نہ اپنے آپ کو تو معتبر سمجھ	۶۱
اور کتنا آزمایا جاؤں گا	۶۲
بالآخر یہ سر بھی نگوں ہو گیا	۶۳
کاسہ بنا کے ہاتھ کو پھیلا دیا گیا	۶۴
الفاظ کے ہتھیار سے میں وار کروں گا	۶۵
مری قسمت میں کیا لکھا گیا ہے	۶۶
مت پوچھ نارسائی کا دکھ کھا گیا مجھے	۶۷
مشغول اپنی ذات میں ہم اک ملنگ سے	۶۸
حالات و واقعات کو بس دیکھتے رہو	۶۹

ہنس رہا ہے زمانہ مجھے دیکھ کر ۷۰
جس قوم کو عادت ہو پڑی جور و جفا کی ۷۱
کھول کر دل کے دریچے داستاں تحریر کر ۷۲
مصیبت میں سہارا مانگتا ہوں ۷۳
بھوک افلاس میں شاعری شاعری ۷۴
کر غور ہر لحاظ سے خانہ خراب ہے ۷۵
مت سازشوں سے مجھ کو گرا شعر کہہ میاں ۷۷
کیا بتاؤں کیا چھپا ہے وقت کی آغوش میں ۷۸
کتنی حسیں اٹھان ہے اک شور ہے بپا ۷۹
ہر لمحہ پُر ملال ہے کس بات کی خوشی ۸۰
نیند سے خواب چرایا ہوتا ۸۱
عزت کے ساتھ جینے کی قیمت چکائیے ۸۲
سانسوں کا اضطراب ہے بھٹکے وجود میں ۸۳
ان درختوں سے بات کرنی ہے ۸۴
ضبط لازم تھا کر لیا میں نے ۸۶
تمہارے لمس سے مصرع کشید کرتا ہوں ۸۷
ناقابلِ بیان ہیں ڈر کی اذیتیں ۸۸
رنج و غم برداشت کرتا دیر پا ہوتا ہوا ۸۹
کتنا پُر درد ہے سلسلہ عشق کا ۹۰
میں ہجر اور سکوت کو باہم ملاؤں گا ۹۱
بھڑکتی آگ میں شعلہ تلاش کرتا ہوں ۹۲
چاہت کا احساس دلانا پڑتا ہے ۹۳
آنکھوں میں کوئی خواب نہیں اور کیا کہوں ۹۴
تمہارے ہجر میں تازہ غزل بناتا ہوں ۹۵
ہاں عمر بھر کا ساتھ نبھانا اُسے بھی ہے ۹۶

خیرات میں وصال نہیں چاہیے مجھے ۹۷
جسم سے اُتری ہوئی پوشاک تھی ۹۸
لمحے ترے فراق کے ڈستے رہیں گے کیا ۹۹
زمیں کو آسماں سے کیوں ملایا جا رہا ہے ۱۰۰
کیسے بتاؤں آپ کو کیا دیکھتا ہوں میں ۱۰۱
سوچا ہے کبھی تم نے یہ کون و مکاں کیا ہے ۱۰۲
اس قلبِ نامراد کی مانی ہوئی ہے کیوں ۱۰۳
تنگ گلیوں سے نکل کر رونقِ بازار تک ۱۰۴
جسم کا روح سے رابطہ ختم شد ۱۰۵
کیسا بھنورا اٹھائے گا یہ بوریا نشیں ۱۰۶
ہر اک چھوٹی بات کے بارے سوچوں گا ۱۰۷
کیا عُذر ہے قبول دعا کر نہیں رہا ۱۰۸
نظمیں
ضمیر اپنا نہیں بیچا ۱۱۰
اچھوت لوگو ۱۱۲
مجھے ڈر ہے ۱۱۴
درندوں کو فنا کر دو ۱۱۶
انتباہ ۱۱۸
بشر کو آزماتا ہے ۱۱۹
گزارش ۱۲۰
نجانے کیسے ابھرے گا ۱۲۱
طوائف ۱۲۲
کبھی سوچا نہیں تھا یہ ۱۲۴
مشورہ ۱۲۶
زمین زادہ ۱۲۷

امین وصادق کہاں کھڑے ہیں ۱۲۹
میں ترے ساتھ ہوں ۱۳۱
گفتگو ۱۳۳
دیکھتا میں رہ گیا ۱۳۴
زندگی بھی تنگ ہے ۱۳۵
یہ میرا ہی تو بیٹا ہے ۱۳۶
آفریں ۱۳۷
بڑھاپا ۱۳۸
گونج ۱۳۹
کرب ۱۴۱
ہُنر ۱۴۲
لمحہ ۱۴۲
مرا ہر لفظ گھائل ہے ۱۴۳
اضطراب ۱۴۴
اشارہ ۱۴۵
عکس ۱۴۵
کوئی انساں نہیں بنتا ۱۴۶
فٹ پاتھ ۱۴۷
المیہ ۱۴۷
تو کیا اب کچھ نہیں ہوگا ۱۴۸
میں کیسے دیس میں پیدا ہوا ہوں ۱۵۰
تجھے آزاد کرتا ہوں ۱۵۲
امید ۱۵۴
متفرق اشعار ۱۵۵

ممکن ہے آسمان کے سینے کو چیر دیں
کچھ سسکیاں روانہ ہوئی ہیں دعا کے ساتھ

ماجد جہانگیر مرزا کی نئی کتاب ''وجد'' کی وجدانی کیفیات

میری طرح اکثر دیباچہ نگاروں کو کسی شاعر کے دوسرے شعری مجموعے پر لکھتے وقت کس قدر مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اس کی پہلی کتاب میں جو ''سپارک'' نظر آیا تھا دوسری کتاب تک آتے آتے وہ سپارک تو بجھ گیا اور بس قافیہ پیمائی یا قافیہ سازی کا ہنر باقی رہ گیا۔ دیباچہ نگار جانتے ہیں کہ یہ صورت حال بہت سے مشہور و معروف شعراء کے ساتھ بھی پیش آچکی ہے۔ ان کی پہلی کتاب ہی ان کی شعری کائنات تھی، جس کے بعد وہ یا تو اسے دہراتے رہے یا تجرباتی شاعری کر کے اپنا وقت ضائع کرتے رہے۔

مگر ماجد جہانگیر مرزا کے دوسرے شعری مجموعے ''وجد'' کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے مسودے کا تفصیلی اور تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے مجھے ایسا کوئی احساس نہیں ہوا کہ اس کا شعری سفر سمتِ معکوس میں ہو رہا ہے۔ مجھے اس کے پہلے شعری مجموعے ''محبت، درد، تنہائی'' پر لکھے ہوئے اپنے الفاظ یاد آتے ہیں تو میرا دل فخر سے جھوم جاتا ہے کہ ماجد جہانگیر مرزا میں شعری وفور کا جو 'سپارک' میں نے تب دیکھا تھا، وہ اب ایک تیز شعلہ بن کر دہک اور دمک رہا ہے۔ میں نے اس کتاب کے دیباچے کے آخری پیراگراف میں لکھا تھا :

''موضوعات کے حوالے سے ماجد جہانگیر مرزا کی شاعری کا کینوس خاصا پھیلا ہوا ہے۔ شاعری میں مختلف اور متنوّع موضوعات کا چناؤ کوئی جرم نہیں بلکہ ایک خوبی ہے اور اِس حوالے سے ماجد جہانگیر مرزا کے پاس ایک خزانے کی موجودگی کے آثار ملتے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ اس خزانے کی تلاش میں مگن ماجد جہانگیر مرزا جب اس کی دریافت کے مرحلے تک پہنچیں گے تو وہ ایک نئی سوچ اور تخلیقی قوتِ اظہار سے مالا مال شاعر کی حیثیت سے اپنی پہچان کروالیں گے۔''

تو صاحبو، مجھے اس کی دوسری کتاب کا مسودہ پڑھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ ماجد اس خزانے کی تلاش میں پوری طرح کامیاب ہو گیا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی شاعری اس کی عمر اور تجربات و مشاہدات کے کینوس سے بھی کہیں آگے نکل گئی ہے، موضوعات میں وسعت کے

ساتھ ساتھ اب اس کے تخلیقی وفور میں معرفت اور وجد کی کچھ ایسی لطیف اور کسی حد تک حیرت انگیز کیفیات کی نشان دہی ہو رہی ہے جنہیں محض شعری ریاضت کے زور سے پیدا نہیں کیا جا سکتا ''تا نہ بخشد خدائے بخشندہ''۔

دل و نگاہ میں ہلچل مچائے پھرتا ہے
یہ عشق وجد میں ہم کو اٹھائے پھرتا ہے

اپنے پیشے کی مناسبت سے اسے چیزوں کی گہرائی میں اترنے اور حقیقت تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی، اور اس میں کچھ ایسی چیزوں کا ادراک کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت بھی پیدا ہو گئی ہے جو عام انسانی آنکھ اور ذہن کے سامنے ہو کر بھی اس سے اوجھل رہتی ہیں، لیکن کسی چیز کا ادراک کرنا الگ چیز ہے اور اسے اپنی پوری تخلیقیت کے ساتھ شعری پیرایے میں بیان کر دینا ایک الگ داستان ہے۔ ماجد جہانگیر مرزا نے پہلی کتاب کی اشاعت کے چند برسوں بعد ہی دوسری کتاب لا کر تخلیقی لحاظ سے جتنا فاصلہ طے کیا ہے اسے زمانی پیمانے کی بجائے کچھ دوسرے حوالوں سے ماپنا پڑے گا کہ اس کا ویژن وقت سے کچھ آگے نکل گیا ہے۔

اب تخیل کی مرے پرواز ہے افلاک پر
کامیابی کا سبب ہے میری ماں، تحریر کر

اندر کی آگ بولتی ہے شعر میں میاں
سو شعر بن گیا ہے بنایا نہیں گیا

معرفت اور عارفانہ انداز اس کا خاصہ ہے اور جس سمے وہ اس کیفیت میں ہوتا ہے عجیب شعر کہتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے:

معراجِ مصطفی پہ حجابات اٹھ گئے
موسیٰ کو اوجِ طور سے بہلا دیا گیا

صبر کے سارے مدارج چاکری کرتے پھریں
بانٹ دوں ساری سبیلیں اور خود پیاسا رہوں

یہ جن و انس و ملائک بھی سر کھجائیں گے
فلک کی گود میں ایسا سوال ڈالوں گا

درد ماجد تیرا سمجھے گا کوئی اہلِ نظر
اور وہ اہلِ نظر ہے ماورائے زندگی

سلسلہ جوڑنا ہے ولیوں سے
کچھ مزاروں سے بات کرنی ہے

مجھے تو عشق کا مطلب یہی سمجھ آیا
دوئی کمال کو پہنچے اکائی ہو جائے

ابتدا، انتہا کا ہے مرکز وہی
ایک نقطے پہ ہے دائرہ عشق کا

جسم سے اتری ہوئی پوشاک تھی
خاک پر موجود پھر سے خاک تھی

ماجد جہانگیر مرزا کی کامیابی یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل پر بیبا کی اور جرأت کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے اور ایسا کرنے میں اس نے اس ''حسّاسیت'' کی بھی پرواہ نہیں کی جس سے اسے شب و روز دو چار رہنا پڑتا ہے۔ آئے روز اس کے سامنے جو منظر کھلتے ہیں اور بعض اوقات خود اسے بھی ان مناظر کا حصہ بننا پڑتا ہے انہیں بیان کرتے ہوئے وہ ذرا نہیں گھبراتا:

اف درندوں کی بقا معصوم جانیں لے اڑی
کچھ شکم میں کچھ زمیں پر پاؤں دھرتے مر گئے

کون کیسے مَرا، ہم کو مطلب ہے کیا
آؤ گھر کو چلیں، حادثہ ختم شد

فاقہ کشی کے ہاتھوں سخن دان مر گیا
ہوتا پسر رئیس کا، اخبار بولتے

کچھ ماہ قبل مر گیا اک اور بے گنہ
بروقت فیصلہ جو سنایا نہیں گیا

ماجد یہاں سوال کے بدلے میں موت ہے
بوٹوں کی باقیات کو بس دیکھتے رہو

ممکن نہیں تھا مرضی کی تعبیر مانگتے
ماجد ہمارے خواب بھی تو یرغمال تھے

اپنے شعری اظہار پر اعتماد اس کا ایک قیمتی سرمایہ ہے اور اس کا جہاں بھی وہ اظہار کرتا ہے اسے خود پسندی یا خود ستائشی کی عینک لگائے بغیر دیکھا جائے تو صحیح تناظر میں دیکھا جا سکے گا:

بچے اٹھا کے اوروں کے مت خود سے باپ بن
ہلکا سا زور خود بھی لگا، شعر کہہ میاں

سامع ہوں آج کل میں خود اپنے کلام کا
سو تیری واہ واہ سے میں بے نیاز ہوں

نظر انداز کرنے والے سن لیں
مجھے تاریخ لکھے گی مسلسل

آشوب کے اس دور میں ماجد کا قلم ہی
بیدار تھا، بیدار ہے، بیدار ملے گا

جان لیوا سچ سے ماجد باز آ
یہ تجھے دیوار میں چنوائے گا

اسی طرح ماجد جہانگیر مرزا کی سیاسی وابستگی بھی ایک ایسی بات ہے جو عام طور پر ظاہر نہیں کی جاتی، مگر ماجد اپنے شعروں میں واضح اشارے دے رہا ہے، اور کرپشن، استحصال اور دیگر سماجی برائیوں کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے:

درباریوں کی چشم پہ قربان جاؤں میں
کانٹے کو کہہ رہے ہیں کہ یہ تو گلاب ہے
ہیں منکر و نکیر رواں جانبِ میاں
شجرے کھنگالتا ہوا یومِ حساب ہے

قرطاس کی دھمال پہ نظریں جمائیے
ٹپکے گا خون، لکھوں گا جب واردات کو

ہمارے ملک میں مذہب کا نام لے کر جو کھیل کھیلے جا رہے ہیں اور دین کی حفاظت کے نام پر جس طرح دین کو تباہ کیا جا رہا ہے اس کے واضح اشارے بھی ماجد جہانگیر مرزا کی شاعری میں موجود ہیں، اور ساتھ ہی مذہب کی تعلیمات پر اس کا ایقان بھی ظاہر ہو رہا ہے:

واعظ نے بیچ ڈالا ہے دینِ محمدیؐ
لگتا ہے اب امام کی آمد قریب ہے

ماجد جہانگیر مرزا کی فنی ریاضت اب اسے لمبی ردیفوں اور مختصر بحروں کی جانب بھی مائل کر رہی ہے:

اس قلبِ نامراد کی مانی ہوئی ہے کیوں
خود کو تباہ کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے کیوں

جسم کا روح سے رابطہ ختم شد
آگے دیوار ہے راستہ ختم شد

اس کا لہجہ غیر معمولی حد تک جدید ہو کر کہیں کہیں چونکا دیتا ہے اور میرے خیال میں اگر وہ اپنے اس لاشعوری اسلوب کو شعوری طور بھی فن کا حصہ بنائے تو وہ نئے عہد کا ایک جدید شاعر بن کر اپنی پہچان کرائے گا، واضح رہے کہ میں اسے 'آمد' کی جگہ 'آورد' کا مشورہ نہیں دے رہا:

تیری تصویر دھوپ میں رکھ کر
تیرا سایہ تلاش کرتا ہوں

نایاب اس قدر مجھے تحفہ نہ دیجیے
صحرا کو منہ دکھائی میں دریا نہ دیجیے

اتنا تنہا کر ڈالا تنہائی نے
اپنا آپ ہی گونج رہا ہے کمرے میں

ان درختوں سے بات کرنی ہے
مجھ کو اپنوں سے بات کرنی ہے

ہجر پھینکوں گا تیری جانب میں
اپنے حصے کا مر لیا میں نے

لیکن ماجد جہانگیر مرزا جدید شاعری کے اس منفی رجحان پر تنقید بھی کرتا ہے جس کے تحت جدید شعر کہنے کی دھن میں عجیب وغریب شعر کہے جا رہے ہیں:

بھائی، سخن وری بھی تماشہ ہے آج کل
ہاں ہاں جدید شعر بنانے کی جنگ ہے

اسے اپنے عہد کی ناقدری اور شہرت پسندوں کے ہاتھوں ادبی منظر نامے کو یرغمال بنانے والوں سے بھی بجا طور پر شکایت ہے اور ہر جینوئن تخلیق کار کو یہ شکایت ہوتی ہے:

پیچھے دھکیلتے رہے کیوں مجھ کو صف بہ صف
یاروں کی خودنمائی کا دکھ کھا گیا مجھے

یہ خودکلامی اذیت کی مات ہے ماجد
میں خود سے اس لیے باتیں مزید کرتا ہوں

ہر اچھے شاعر کی طرح ماجد جہانگیر مرزا بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ بعض موضوعات غزل کے ایک شعر کا موضوع نہیں بن سکتے اور ان کا کینوس ایک نظم کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس کی کچھ نظمیں اس کی پہلی کتاب میں بھی چونکا دینے والی تھیں اور اب ''وجد'' میں بھی ایسی کچھ مزید نظمیں اس کی تخلیقی زرخیزی کا ثبوت دے رہی ہیں، اگرچہ کہیں کہیں اس کی نظموں کا بلند بانگ لہجہ (خاص طور پر سیاسی موضوعات پر) قاری کو شاید پسند نہ آئے مگر اسے بھی ماجد جہانگیر مرزا کے دل کی آواز سمجھا جائے تو غلط نہ ہوگا، اپنی ایک نظم ''اچھوت لوگو'' میں وہ ایک بڑے مقصد کی خاطر قاری کو یوں نصیحت کرتا ہے:

خدارا ذاتی مفاد چھوڑو
یہ نون وانصاف چھوڑو سب کچھ
ہے سب سے پہلے وطن ہمارا
قبول جس کا نہیں خسارہ
قبول جس کا نہیں خسارہ

اسی طرح ہمارے ہاں الیکشن کے نام پر جو تماشے ہوتے ہیں ان پر وہ اپنی نظم ''امین و صادق کہاں کھڑے ہیں'' میں کہتا ہے:

میں گھر سے نکلا ہوں ووٹ دینے
مگر یہاں پر عجیب صورت بنی ہوئی ہے
پرانے چہرے ہی دِکھ رہے ہیں

وہی لٹیرے جو کچھ ٹکوں کا سہارا لے کر
غریب کا حق خریدتے ہیں

معاشرے کے دیگر مسائل پر اس کی کچھ مزید اچھی نظموں میں اے پی ایس کے سانحہ پر ''درندوں کو فنا کر دو'' نظم عمدہ انداز میں دہشت گردی کے خلاف ہے۔ اس کی ایک اور نظم ''فٹ پاتھ'' کی یہ تین سطریں بھی ملاحظہ ہوں:

کرب اتارے گا قرطاس پر بس وہی
جس کو گھر اور فٹ پاتھ کی
نیند کا فرق معلوم ہو

اسی طرح اس کی نظم ''طوائف'' بھی پڑھنے کے لائق ہے کہ جس میں طوائف کو برا بھلا کہنے والوں کو یوں بے نقاب کیا گیا ہے:

۔۔۔مگر میں نے تو دیکھا ہے
بڑے اونچے گھرانوں کے جو مدہوشی کے عالم میں
طوائف کے ہی کوٹھے پر فقط تسکین کی خاطر۔۔۔
بہت سا وقت رہتے ہیں
بظاہر تو معزز ہیں مگر باطن سے کھوٹے ہیں۔۔۔

اس کی نظمیں محض اس زمین کے رہنے والوں کو مخاطب نہیں کرتیں، بلکہ کہیں کہیں تو وہ اللہ تعالی سے بھی ایک سوال کر کے حیرت زدہ کر دیتا ہے ''زمین زادہ'' میں اس کے تیور دیکھیے:

مکیں فلک کے زمین زادے کی بات سن لے
خبر ہے مجھ کو تمہارے آگے حباب جیسے وجود میرا
سوال اتنا سا ہے خدایا کہ مجھ کو حسّاس کیوں بنایا

ایک اچھا شاعر ہمہ وقت اپنی تخلیقیت اور اپنے اظہار کے سانچوں کو بہتر بنانے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے، ماجد جہانگیر مرزا نے رفتہ رفتہ وقت کے ساتھ ساتھ لفظی کفایت کے ساتھ ''اظہاری بلاغت'' کا فن بھی سیکھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ چند لفظوں پر مشتمل نظم ''عکس'' دیکھیں:

وصل کی حسرت لیے
رات کی دہلیز پر
خامشی کا رقص تھا
اور تیرا عکس تھا
اور تیرا عکس تھا

دیکھیں کہ اس نے جتنا کچھ کہا ہے، اس سے کہیں زیادہ ان کہا چھوڑ دیا ہے اور قاری کی ذہانت پر اعتماد کیا ہے کہ وہ ان لفظوں کے اندر چھپے ہوئے مفاہیم تک پہنچ جائے گا۔ پھر اس نے اس مختصر نظم میں بھی ایک مصرعے کی دوبارہ تکرار سے جو کیفیت پیدا کر دی ہے اس کا لطف صاحبِ ذوق قاری ہی لے سکے گا۔ اس کفایتِ لفظی کا ہنر جوں جوں ماجد جہانگیر مرزا سیکھتا جائے گا اس کی شاعری میں مزید جان پیدا ہوتی جائے گی۔ مگر یہاں اپنی بات دہراتا چلوں کہ ماجد اپنے ہم عمر جدید شعراء سے کافی آگے ہے، اور وہ وقت دور نہیں جب وہ سب سے آگے دکھائی دے گا۔ چنانچہ یہاں ماجد جہانگیر مرزا کا ایک شعر دہرا کر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

نظر انداز کرنے والے سن لیں
مجھے تاریخ لکھے گی مسلسل

نسیمِ سحر

۲۵ رنومبر ۲۰۱۸ء

نعت

جب لکھوں نعتِ نبی
ہو زیارت آپؐ کی

انتہائے عشق ہے
دانت توڑے عاشقی

ٹاٹ کے پیوند ہیں
کس قدر ہے سادگی

آپؐ کے در کا پتا
روشنی ہی روشنی

نعت کا مصرع کہا
مٹ گئی پھر تشنگی

زندگی کی ابتدا
آپؐ ہی ہیں آخری

ہے کرم شاہا ترا
عاصی لکھے نعت بھی

پیرویِء مصطفیٰ
تیرگی سے روشنی

چوم کر نعلین کو
بن گیا میں فلسفی

اُن کے ماجدؔ نام سے
حرف میں ہے تازگی

غزلیں

پھیلی ہوئی ہے دہر میں سب کوزہ گری ہے
دل جس سے فروزاں ہے عجب کوزہ گری ہے

ایسے ہی نہیں ہوگئی تخلیق یہ دنیا
کر غور عوامل پہ سبب کوزہ گری ہے

اک اسمِ محمدؐ جو سماعت سے ہوا مس
تخلیق کی معراج پہ اب کوزہ گری ہے

لفظوں کے جھمیلے میں الجھتا ہوا شاعر
آنکھوں سے عیاں ہوتی طلب کوزہ گری ہے

قرآن کے اوراق میں ہے قصۂ یوسفؑ
حیراں تھا سبھی مصر غضب کوزہ گری ہے

آ تیری بھی تشکیل کیے دیتا ہوں پھر سے
برسات ہے توحید کی جب کوزہ گری ہے

اب خاک کی افلاک پہ ہونی ہے مُنادی
ماجدؔ پہ کٹھن آخری شب کوزہ گری ہے

تمہارے عشق کی لَو میں دھمال ڈالوں گا
تمہیں خبر ہے کہ کتنی کمال ڈالوں گا

یہ جن و انس و ملائک بھی سر کھجائیں گے
فلک کی گود میں ایسا سوال ڈالوں گا

ہمارے خون سے حق کی صدا ہی نکلے گی
قدیم یاد میں تازہ مثال ڈالوں گا

ہوائے شوق ہی منزل قریب لائے گی
سفر کروں گا غلاظت نکال ڈالوں گا

افق کے پار کی باتیں زمیں بتائے گی
جہانِ شعر میں قصرِ خیال ڈالوں گا

طلب کروں گا کہاں میں وفاؤں کا بدلہ
فلک کی سمت میں نیکی اچھال ڈالوں گا

میں لفظِ کُن کی حقیقت سمجھ نہیں پایا
صنم کدے میں اذانِ بلال ڈالوں گا

ہر ایک سطر میں آئے گا انقلاب نیا
شکم کی آگ میں رزقِ حلال ڈالوں گا

زمین زاد بھی تڑپے گا ایک دن ماجدؔ
ورق پہ حُسن کا ایسا جلال ڈالوں گا

کرنا ہے اب سفر مجھے تازہ ہوا کے ساتھ
گفت و شنید جاری ہے میری خدا کے ساتھ

ممکن ہے آسمان کے سینے کو چیر دیں
کچھ سسکیاں روانہ ہوئی ہیں دعا کے ساتھ

اب اس سے بڑھ کے عاجزی کی کیا مثال دوں
دفنا دیا ہے زعم کو اندھی انا کے ساتھ

اک بوجھ ہے دھرا ہوا دل کی حدود پر
ہوگا مرے وجود سے رخصت قضا کے ساتھ

میں اپنے زاویے سے پرکھتا ہوں دہر کو
اور انتہا کو سوچتا ہوں ابتدا کے ساتھ

اکثر میں سانس لینے سے کرتا ہوں اجتناب
یعنی کہ جی رہا ہوں میں تیری رضا کے ساتھ

ماؔجد بھی تیری خلق میں شامل ہے اے خدا
ایسے نہ بے رخی برت اپنے گدا کے ساتھ

کرب بڑھتا جا رہا ہے بام و در کو دیکھ کر
میں مسلسل رو رہا ہوں اپنے گھر کو دیکھ کر

کیا عجب میلہ لگا ہے دہر کے میدان میں
آدمیت دم بخود ہے خیر و شر کو دیکھ کر

ورطۂ حیرت میں ہیں تاریخ کے اوراق بھی
نیزے پر قرآن پڑھتے ایک سر کو دیکھ کر

کامیابی کے لیے تو آزمائش شرط ہے
اور تو کھینچے قدم نادیدہ ڈر کو دیکھ کر

دور رکھ اُس سے خدایا اشک کی سوغات کو
جسم میرا چیختا ہے چشمِ تر کو دیکھ کر

اس ڈگر کے کچھ مسافر سو رہے ہیں قبر میں
یاد کیا کچھ آ رہا ہے رہ گزر کو دیکھ کر

چند سانسوں پر ہی تکیہ کر رہا ہوں آجکل
گھورتی ہے زندگی زادِ سفر کو دیکھ کر

سازشوں کی بُو عیاں ماجدؔ ہوئی افلاک سے
ہنس رہے ہیں سب ملائک دربدر کو دیکھ کر

عجیب بوجھ ہے دل پر سمجھ سے باہر ہے
یہاں وہاں ہے کہاں گھر سمجھ سے باہر ہے
میں جھوٹ بول کے کیسے ضمیر کو بیچوں
وہ کہہ رہا ہے یونہی کر سمجھ سے باہر ہے
مرے رقیب نے کیسی یہ چال ہے چل دی
تمام بند ہوئے در سمجھ سے باہر ہے
تمہارے قصر سے کس کا لہو ٹپکتا ہے
نجانے کتنے کٹے سر سمجھ سے باہر ہے
مرے عزیز ہی لے لیں گے میری جان اک دن
ہر اک قدم پہ یہی ڈر سمجھ سے باہر ہے
مرے وجود کے ذرو گواہ رہنا تم
میں جیتے جی ہی گیا مر سمجھ سے باہر ہے
خدائے پاک یہ ماجدؔ کو راز بتلا دے
مٹے گا دہر سے کب شر سمجھ سے باہر ہے

نایاب اس قدر مجھے تحفہ نہ دیجیے
صحرا کو منہ دکھائی میں دریا نہ دیجیے

تعبیر میرے خواب کی ہو جائے گی اُلٹ
سو دشمنی نبھائیے بوسہ نہ دیجیے

چوسا ہے خون آپ نے ہر دم غریب کا
رُکیے حرام مال سے صدقہ نہ دیجیے

مت ہاتھ میرے خون سے رنگین کیجیے
میں کہہ رہا ہوں آپ سے حصہ نہ دیجیے

گر چاہتے ہیں آپ سکوں ہمرکاب ہو
دل کی زمین پر اسے قبضہ نہ دیجیے

میں خود ہی لیٹ جاؤں گا مٹی کی گود میں
کچھ فاصلے کی بات ہے کندھا نہ دیجیے

فرہاد پھر کہانی میں ہوگا برائے نام
سنیے ہمارے ہاتھ میں تیشہ نہ دیجیے

گھڑیاں نزولِ شعر کی ہیں انتظار میں
ماؔجد نمازِ عشق میں وقفہ نہ دیجیے

نجانے کون سے لمحے جدائی ہو جائے
تمہارا ہجر مسلسل کمائی ہو جائے

تمہاری جیت یقینی ہے میرے ہونے سے
اٹھے جو ہاتھ مرا جگ ہنسائی ہو جائے

میں رب سے بات کروں گا تمہارے بارے میں
ذرا سا صبر فلک تک رسائی ہو جائے

اسی لیے تو ہمیشہ فلک پہ دستک دی
سیاہ زلف سے شاید رہائی ہو جائے

مجھے تو عشق کا مطلب یہی سمجھ آیا
دوئی کمال کو پہنچے اکائی ہو جائے

یہ نفرتوں کا نہیں وقت ہے محبّت کا
کہ سانس چلتے ہوئے کب پرائی ہو جائے

مجھے تلاش ہے ماؔجد اُسی قلندر کی
نگاہ جس کی پڑے اور صفائی ہو جائے

بیعت تو کر لی تم نے کسی اور ہاتھ پر
طعنے جو دینے لگ گئے ہو بات بات پر

ظالم کا ہاتھ روکے گا مظلوم کس طرح
چپ سادھ لی ہو شہر نے جب واردات پر

کب تک درونِ ذات یہ برپا رہے گا شور
کڑھتا رہوں گا کب تلک اُن سانحات پر

رستے کی وحشتوں سے مصائب سے مت ڈرا
کرنی ہے مجھ سے بات کرو ممکنات پر

جن کا نسب زمانے میں مشکوک ہے ابھی
انگلی اٹھانے لگ گئے ہیں میری ذات پر

سرخی جو آسمان پہ پھیلی ہے چار سو
یہ قرض ہے حسین کا اس کائنات پر

مجذوب بے لباس سہی مت حقیر جان
رکھی ہوئی ہے اُس نے نظر شش جہات پر

ماجدؔ ہیں باتیں رمز کی بالا شعور سے
کُھلنی نہیں غزل مری کینہ صفات پر

بے دخل دل سے میں نے کیا خواہشات کو
حیرت میں ڈال آیا ہوں میں کائنات کو

قرطاس کی دھمال پہ نظریں جمائیے
ٹپکے گا خون لکھوں گا جب واردات کو

ہم نے الگ بسائی ہے دنیا فریب کی
پیغام جا کے دیجیے کینہ صفات کو

ہے ساتویں جہت بھی کوئی تو بتا مجھے
دیکھے ہی جا رہا ہوں تری شش جہات کو

تاریخ دیں فروشوں میں لکھّے گی اُن کا نام
جو شکل دے رہے ہیں نئی واقعات کو

آئے اجل دبوچ لے قصہ تمام ہو
کس نے کہا ترستا ہوں آبِ حیات کو

یہ غیر کا نہیں کسی اپنے کا کام ہے
پہچانتا ہوں اپنے پرائے کے ہاتھ کو

لگتا ہے سکھ کا سانس نہیں آپ کو عزیز
ماؔجد نہ طول دیجیے ہر ایک بات کو

کیا خبر کب تک ہجومِ دہر کا حصہ رہوں
درمیاں میں دین و دنیا کے یونہی اٹکا رہوں

ظلم سہہ کر وحشیوں کے ہاتھ پر بیعت کروں
جسم و جاں چیخیں مسلسل اور میں ڈرتا رہوں

اب تغیر مانگتا ہے زندگی کا ہر ورق
یادِ ماضی بے سبب کیوں تجھ سے میں لپٹا رہوں

صبر کے سارے مدارج چاکری کرتے پھریں
بانٹ دوں ساری سبیلیں اور خود پیاسا رہوں

اب مری تخلیق کے اسباب سے پردہ اٹھا
عرش والے کس لیے میں فرش پر بے جا رہوں

امن کے نعرے تمہاری ذات تک محدود ہیں
کب تلک لاشے اٹھاؤں چیتھڑے چُنتا رہوں

میں اپاہج سوچ کا حامل نہیں ہوں واعظا
کفر کے فتوے لگاؤں کفر ہی سُنتا رہوں

ظلم ماؔجد اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا یہاں
صف میں بیناؤں کی شامل ہو کے بھی اندھا رہوں

یادوں کا اک حشر بپا ہے کمرے میں
خود کو میں نے باندھ لیا ہے کمرے میں

چاروں سمت کے وحشی اجزا چیخ اُٹھے
دیواروں کا بین سنا ہے کمرے میں

خاموشی بھی غم کے ساتھ ٹہلتی ہے
جانے کیا کچھ دیکھ لیا ہے کمرے میں

آوازوں کا شور سماعت چھینے ہے
بے سُر بے ترتیب صدا ہے کمرے میں

اتنا تنہا کر ڈالا تنہائی نے
اپنا آپ ہی گونج رہا ہے کمرے میں

ماجدؔ جھانکے ماضی کے پیرائے میں
یادوں کا بازار سجا ہے کمرے میں

گر چند لفظ حق میں مرے یار بولتے
جرأت کہاں تھی پھر مرے اغیار بولتے

چیخ و پکار کرنی تھی رکھتے اگر زباں
چپ چاپ سامنے کھڑے اشجار بولتے

لقمہ تمہارے پیٹ میں ہوتا حلال کا
دعوے سے کہہ رہا ہوں کہ افکار بولتے

مانا کے لب کشائی بھی ممکن نہ تھی وہاں
چل سامنے نہیں پسِ دیوار بولتے

مجھ کو خبر تھی حق کا زمانہ نہیں رہا
رہزن سے قبل اس کے طرفدار بولتے

فاقہ کشی کے ہاتھوں سخن دان مر گیا
ہوتا پسر رئیس کا اخبار بولتے

مت بھیک مانگ زندگی کی اور نہ سر جھکا
ہوتی حسینی فکر سرِ دار بولتے

بے ربط اس ہجوم سے ماجدؔ رہا گلہ
اپنے حقوق کے لیے بیمار بولتے

جب تک ہوا کے ساتھ مراسم بحال تھے
اشجار بھی پرندوں کا رکھتے خیال تھے

دشتِ جنوں میں سایہ بھی لگتا تھا منفرد
اُس پر شکستہ قدموں سے جھڑتے وبال تھے

مجھ پر کڑکتی دھوپ تھی سو ہانپنے لگا
چھاؤں میں بیٹھے لوگ بھی کتنے نڈھال تھے

ہر اک سفر کو کہتا رہا الوداع میں
میرے لیے تو راستے بھی پُر ملال تھے

جن کے لیے جلائے تھے ہر گام پر دیے
سب تیرگی کے عادی تھے وہی کمال تھے

یزداں سے ہو رہی تھی مری رات گفتگو
وجدان میں بھٹکتے ہوئے کچھ سوال تھے

مجھ دربدر کو خاک نے دی اس لیے جگہ
مٹی سے میل کھاتے ہوئے خدوخال تھے

ممکن نہیں تھا مرضی کی تعبیر مانگتے
ماجدؔ ہمارے خواب بھی تو یرغمال تھے

باپ زندہ پھر رہا ہے اور بیٹے مر گئے
بوڑھے برگد کے اچانک کتنے حصے مر گئے

تھا محبت کا وظیفہ اس لیے شاداب تھے
آنکھ سوئی باغباں کی اور پودے مر گئے

ذہن و دل میں خوف تھا یہ سانس رُکنی ہے ضرور
ڈر کے قیدی دیکھیے پھر ڈرتے ڈرتے مر گئے

دے رہا ہے مجھ کو وہ رزقِ سخن آغاز سے
ورنہ میرے جیسے کتنے آئے کتنے مر گئے

اک طرف تھی عیش و عشرت کی فضا میراث میں
اور کچھ اسلاف کے غم ڈھوتے ڈھوتے مر گئے

اف درندوں کی بقا معصوم جانیں لے اڑی
کچھ شکم میں، کچھ زمیں پر پاؤں دھرتے مر گئے

خود فریبی سے مزین زندگی کے روز و شب
بد نصیبی جھوٹ کہتے جھوٹ سنتے مر گئے

داستانِ عشق میں ماجدؔ نیا کردار ہے
مجھ سے پہلے فیض و جالب لکھتے لکھتے مر گئے

اک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جنگ ہے
یعنی انا کو اپنی بچانے کی جنگ ہے

طے کر چکا ہوں عشق کو کرنا ہے دربدر
اب دل سے تیرا قبضہ چھڑانے کی جنگ ہے

مجھ کو خبر ہے یاروں کو چبھتا ہوں جا بجا
سو بزمِ دلبراں سے اٹھانے کی جنگ ہے

خود کی تلاش میں مرے گزرے ہیں تیس سال
اب عشق کو خرد سے ملانے کی جنگ ہے

کرنے لگا ہے گیدڑوں کا جھنڈ سازشیں
مسند سے مجھ کو یار گرانے کی جنگ ہے

بھائی سخن وری بھی تماشا ہے آجکل
ہاں ہاں جدید شعر بنانے کی جنگ ہے

ذاتی مفاد کے لیے ہوتا ہے اختلاف
دستار اور سر کو بچانے کی جنگ ہے

اب تلخئ حیات کا ماؔجد یہی ہے حل
ماضی کے سب خطوط جلانے کی جنگ ہے

بنجارہ بن گیا کوئی در ڈھونڈتا رہا
میں تیری کائنات میں گھر ڈھونڈتا رہا

اک روز خوف دل سے نکالا کچھ اس طرح
سر کو پٹختا رہ گیا ڈر ڈھونڈتا رہا

جب بادشہ کی جان بھی خطرے میں پڑ گئی
مقتل کے واسطے کوئی سر ڈھونڈتا رہا

اٹکی ہوئی فلک پہ تھی میری بھی اک دعا
رزقِ حرام کھا کے اثر ڈھونڈتا رہا

تھے دائرے کے گرد رواں روز و شب مرے
الجھی رہی لکیر سفر ڈھونڈتا رہا

چکما دیا تھا میں نے ہی دریا کو جا بجا
بچ کر نکل گیا میں بھنور ڈھونڈتا رہا

میں زندگی سے موت کی جانب تھا گامزن
کتنا میں بے خبر تھا خبر ڈھونڈتا رہا

ماجدؔ نہ احتساب کیا اپنی ذات کا
محوِ سفر رہا میں بشر ڈھونڈتا رہا

دل کی زمیں کو وجد میں لایا نہیں گیا
اک عشق تھا جو ہم سے کمایا نہیں گیا

اندر کی آگ بولتی ہے شعر میں میاں
سو شعر بن گیا ہے بنایا نہیں گیا

کچھ ماہ قبل مر گیا اک اور بے گنہ
بر وقت فیصلہ جو سنایا نہیں گیا

بے حس عوام خودکشی کو دیکھتے رہے
جلتے ہوئے بشر کو بچایا نہیں گیا

مجرم پکڑ لیا ہے مچایا گیا یہ شور
قاتل کا چہرہ مجھ کو دکھایا نہیں گیا

لاغر بدن تھا حادثوں کی زد میں آ گیا
اپنا بھی بوجھ مجھ سے اٹھایا نہیں گیا

رکھا قلم کا پاس تو فاقے بھی آ گئے
لیکن کسی کے در پہ خدایا نہیں گیا

ہم تو صداقتوں کے ازل سے امین ہیں
دھوکے سے وار کرنا سکھایا نہیں گیا

یہ جرم بھی ادیب کے کھاتے میں آئے گا
انسان سو رہا تھا جگایا نہیں گیا

کہتی ہے رب کی ذات بھی ماجدؔ یہ بارہا
خاکی گرا ہے خود ہی گرایا نہیں گیا

پھڑپھڑاتی ہے قفس میں قہر ڈھائے زندگی
منحصر اس پر ہے جتنا آزمائے زندگی

ہے عجب قدموں سے تیرے منسلک سانسیں مری
چاپ قدموں کی سنوں اور آئے جائے زندگی

رمز کوئی تو ہے مخفی زندگی کے باب میں
کہتے سنتا ہر بشر کو ہائے ہائے زندگی

کیا درونِ ذات کا قصہ کروں تجھ سے بیاں
روز وشب اندر ہی اندر مجھ کو کھائے زندگی

سانس اب اس شرط پر لوں گا جہاں میں اے خدا
کتنی خوشیاں کتنے غم پہلے بتائے زندگی

کون سی میری ادا گزری ہے تجھ کو ناگوار
ہاتھ سے جانے لگی بیٹھے بٹھائے زندگی

دردِ ماجدؔ تیرا سمجھے گا کوئی اہلِ نظر
اور وہ اہلِ نظر ہے ماورائے زندگی

در اصل کہیں اور دکھانے کے لیے تھا
پہلو میں ترا آنا تو جانے کے لیے تھا
اڑ جائے تری نیند سو جھانکے تو گلی میں
کہرام کا مقصد تو جگانے کے لیے تھا
مذہب کی ہی تقسیم کا لوگو ہے نتیجہ
ورنہ یہ بشر مر کے جلانے کے لیے تھا
اُس پورے فسانے میں مرا نام نہیں تھا
لگتا ہے میں کردار نبھانے کے لیے تھا
گردن مری کیوں آ گئی تلوار کی زد میں
دشمن سے تجھے میں تو بچانے کے لیے تھا
بوڑھے کو سمجھ آ ہی گئی وجہِ تنفس
بیٹے کی جواں لاش اٹھانے کے لیے تھا
اس تیرگی میں روشنی کے واسطے ماجدؔ
اک دل ہی میسر تھا جلانے کے لیے تھا

اک حرفِ ناتمام ہوں آگے کی بات چھوڑ
میں خاص ہوں نہ عام ہوں آگے کی بات چھوڑ

تیری طرف پڑاؤ ہے قسمت کا آجکل
ڈھلتی ہوئی میں شام ہوں آگے کی بات چھوڑ

سچ پوچھیے خبر نہیں اطراف کی مجھے
میں خود سے ہم کلام ہوں آگے کی بات چھوڑ

ہر اک وبال ان دِنوں ہے مقتدی مرا
دکھ درد کا امام ہوں آگے کی بات چھوڑ

الجھے ہوئے ہیں زیست کے دھاگے عجیب سے
صدیوں سے زیرِ بام ہوں آگے کی بات چھوڑ

اوراق کالے کرنے ہیں تو مجھ پہ کر میاں
میں ہجر کا مقام ہوں آگے کی بات چھوڑ

ہاں ہاں ظفر نے سچ کہا ہے زیست چار دن
گویا میں دو ہی گام ہوں آگے کی بات چھوڑ

مجھ کو زمین زاد نے کرنا نہیں قبول
ماجدؔ برائے نام ہوں آگے کی بات چھوڑ

صبح جاگا رات نے روندا مجھے
اس طرح حالات نے روندا مجھے

ہاں عمارت تن کی پختہ تھی بہت
رنج کی بہتات نے روندا مجھے

تھا پذیرائی سے خائف وہ مری
اس لیے کم ذات نے روندا مجھے

اک سوال اکثر جلائے جی مرا
جانے کس کس ہاتھ نے روندا مجھے

میں سے نکلا تب یہ جانا ساقیا
مے کشوں کے ساتھ نے روندا مجھے

میں ضرورت سے زیادہ سخت تھا
ہائے پھر صدمات نے روندا مجھے

آخرش ماؔجد یہ عُقدہ کُھل گیا
منہ سے نکلی بات نے روندا مجھے

یوسف کی طرح مجھ کو بھی بازار ملے گا
اب دیکھنا ہے کون خریدار ملے گا

معلوم کہاں اس کو میاں حق کی حرارت
یہ سلسلہ تو جا کے سرِ دار ملے گا

یہ دہر ہے سو دہر میں کیوں حرفِ شکایت
اک ایک سے بڑھ کر تجھے فنکار ملے گا

کج فہم یہاں لوگ ہیں دل بغض سے مملو
ایسے میں بھلا کون مددگار ملے گا

آغاز اخوت کا مرے دین کا ہے درس
جا دیکھ مہاجر سے بھی انصار ملے گا

چل دیکھ نکل گھر سے حقیقت سے ملا آنکھ
اس دیس میں ہر شخص ہی بیزار ملے گا

اب درد میسر ہے مجھے ہجر ہے لاحق
بے کار ہے ملنا مجھے بے کار ملے گا

اس خوف سے قاتل کی طرف دیکھتا کم ہوں
پردہ جو اٹھے گا تو مرا یار ملے گا

آشوب کے اس دور میں ماجدؔ کا قلم ہی
بیدار تھا بیدار ہے بیدار ملے گا

دل و نگاہ میں ہلچل مچائے پھرتا ہے
یہ عشق وجد میں ہم کو اٹھائے پھرتا ہے
یہ زخمی کرنے لگا ہے ہمارے باطن کو
کہاں کا تیر کہاں پر چلائے پھرتا ہے
ازل سے عشق کی دیکھو یہی روایت ہے
ولی، فقیر، قلندر بنائے پھرتا ہے
کہاں کہاں سے نکالوں اسے نہیں ممکن
ہر ایک چیز پہ قبضہ جمائے پھرتا ہے
ہوس کی آگ نے لالچ میں ڈال رکھا ہے
فریبِ چشم بشر گھر بنائے پھرتا ہے
اٹھا کے پھینک دیا ہے غلیظ دنیا کو
یہی ہے عشق کرامت دکھائے پھرتا ہے
مرے قلم میں روانی اُسی کا صدقہ ہے
اُسی کا کام ہے خود ہی کرائے پھرتا ہے
نبیؐ کی آل سے لیتا ہے امتحان کڑا
گلا کٹا کے سناں پر سجائے پھرتا ہے
سکوں سے واسطہ اب تو نہیں رہا ماجدؔ
یہ مشتِ خاک کو شب بھر جگائے پھرتا ہے

الفاظ کو قرطاس کی سولی پہ چڑھایا
پھر چاک پہ اُس مصرعِ اولیٰ کو گھمایا
کچھ دیر خیالات کی بارش میں رہا گم
ہونٹوں کو ترے نقش کیا شعر بنایا
ایسے بھی مضامین تھے مر جاتے سفر میں
ہم نے ہی انہیں بولنا چلنا ہے سکھایا
اندھوں کی طرح بھاگتا تھا خواہشوں کی اور
ہلچل میں رہِ زیست کی کیا کیا ہے کمایا
ہر بار نیا زخم روایت سے جڑا تھا
ترکے میں ملا بوجھ بہر طور اٹھایا
بستر پہ مرے سلوٹیں ہیں دکھ کی علامت
اک دردِ مسلسل ہے جو پہلو میں سلایا
اندر سے اڈنے لگے پھر تازہ خیالات
جب نخلِ سخن حالتِ مستی میں ہلایا
تھے وجد میں اوراق بھی اور لوح و قلم بھی
حالِ ارض و سماوات کا ماجدؔ نے سنایا

بے سبب حالات کا ماتم کیا
جانے کس کس بات کا ماتم کیا

اک دیے سے چھٹ گئی تاریکیاں
روشنی نے رات کا ماتم کیا

خود سے بھی آنکھیں چُرا کر چل پڑا
روزوشب اوقات کا ماتم کیا

فکرو فاقہ نے گھٹایا قد مرا
اور اپنی ذات کا ماتم کیا

کیوں اذیت بڑھ رہی ہے ناصحا
رنج تھا جذبات کا ماتم کیا

زندگی جب مرگ میں لپٹی ملی
ان گنت صدمات کا ماتم کیا

اُس کے لہجے سے عیاں تھی دشمنی
اس لیے بد ذات کا ماتم کیا

کربلا کا واقعہ یاد آ گیا
اشک تھے سادات کا ماتم کیا

جب مری برداشت ماجدؔ چیخ اٹھی
تب کہیں آفات کا ماتم کیا

ایک ذرے کو کہاں لے جائے گا
یہ خدا کا فیصلہ بتلائے گا
آنکھ کی پُتلی کے اندر رقص ہے
کج نظر کو کب نظر یہ آئے گا
کیسے کیسے آگئے ہیں دہر میں
کیسے کیسے اُس جہاں لے جائے گا
رہزنوں کے ہاتھ میں دے کر وطن
دیکھنا اک روز تو پچھتائے گا
سُن نشانی ہے یہی کم ظرف کی
ہر کسی سے جوتیاں اٹھوائے گا
ایک تنکے کے برابر کر دیا
اور جانے کیا سے کیا دکھلائے گا
کیا کمائی ہے ہمارے حرف کی
شاہ کا لہجہ ہمیں بتلائے گا
میری چیخوں میں چھپی اک رمز ہے
اس بہانے وہ یہاں تک آئے گا
جان لیوا سچ سے ماجدؔ باز آ
یہ تجھے دیوار میں چنوائے گا

اک بار تو نکال اسے درمیان سے
پرواز میں خلل پڑے فانی جہان سے

دیکھو مکیں بغیر یہ حالت دیار کی
آواز لوٹنے لگی خالی مکان سے

کب کا نکل چکا ہوں تری دسترس سے میں
تسلیم کر وگرنہ تو جائے گا جان سے

گر ہو سکے تو پھول بنا تیر مت بنا
پھر پھینک اس کو دہر میں دل کی کمان سے

کیسی نہج پہ لائی ہے مجھ کو یہ زندگی
ممکن نہیں فرار کڑے امتحان سے

موقع ملا تو میرے ہی بچوں کو کھا گیا
رکھا عزیز میں نے جسے اپنی جان سے

لے کر وطن کو پستی کی جانب ہی جائے گا
بے کار ہے اُمید دِلا پاسبان سے

سب وحشیوں کا قتل ضروری ہے اب یہاں
تلوار کو نکال سپاہی میان سے

دنیائے بے ثبات سے آگے کی فکر کر
آواز آنے لگ گئی ہے لامکان سے

الجھا ہوا ہے روٹی کے چکر میں فلسفی
ہاں ہاں یہی گلہ ہے مجھے آسمان سے

ماجدؔ مری انا ہی اثاثہ ہے زیست کا
کچھ اور کی طلب نہیں مر جاؤں شان سے

ورق پر حادثے کچھ تھے اُبھارے
سہارے ہوگئے دشمن ہمارے

محبت اس قدر ہو والہانہ
کہ منزل چیخ کر تجھ کو پکارے

مرا تو مسئلہ اب شاعری ہے
سرِ قرطاس قصے ہیں تمہارے

مری میت یہاں پر مت جلاؤ
کہ حرف آئے گا یاروں پر ہمارے

میں ان کے بوجھ سے جھکنے لگا ہوں
ملائک شانوں سے کوئی اتارے

میں اپنی عمر سے کتنا بڑا ہوں
خیال آیا مجھے پا کر خسارے

سمندر کو فقط آواز دی تھی
کہ چلنے لگ پڑے خود ہی کنارے

ہدایت کار کو تم مشورہ دو
مرے خوں سے کہانی کو نکھارے

تجھے نیت کا آخر پھل ملے گا
اندھیرا روشنی سے کیوں نہ ہارے

مرے گھر کی ہے لونڈی تازہ کاری
مسائل اور بھی تو ہیں ہمارے

تمہاری فکر گروی ہو چکی ہے
اگر سمجھو نہ ماجدؔ کے اشارے

ہے راستہ دشوار کئی بار ہوا ہے
ہاں عشق یہ آزار کئی بار ہوا ہے

شامل ہوئے ہیں قافلے میں جعفر و صادق
یہ سانحہ اس پار کئی بار ہوا ہے

حلقوں سے عیاں ہو رہا ہے شب کا فسانہ
تو نیند سے بیدار کئی بار ہوا ہے

سُن حق کے قبیلے سے تعلق ہے پرانا
منصور سرِ دار کئی بار ہوا ہے

سب جانتا ہے میرا خدا خاک کا پیکر
بے یار و مددگار کئی بار ہوا ہے

آ تجھ کو دکھا دوں میں محبت کی نشانی
دل تیرا طلب گار کئی بار ہوا ہے

ہے زیر عتاب آج مرے دیس کے اندر
جو صاحبِ دستار کئی بار ہوا ہے

میں جانتا ہوں موت سے ہے زیست بھیانک
وا مجھ پہ کئی بار کئی بار ہوا ہے

ماجدؔ کے قلم پر ہے خدا کی یہ عنایت
قرطاس پہ تلوار کئی بار ہوا ہے

تیری آہٹ جب سنائی دے مجھے
تجھ سوا پھر کیا دکھائی دے مجھے

ذائقہ چکھ لوں ذرا سا ہجر کا
یار سے اک پل جدائی دے مجھے

میں لکھوں افلاک کے قصے سبھی
خاک کے اندر رسائی دے مجھے

پھنس گیا عشق و خرد کے درمیاں
کیسے رستہ پھر سجھائی دے مجھے

تو نظر سے گر گیا ہے دوستا
چل پرے ہٹ مت صفائی دے مجھے

میں گُنہ کے لفظ سے نفرت کروں
پارسائی پارسائی دے مجھے

اس نہج پر اب ریاضت ہے مری
بولے گونگا اور سنائی دے مجھے

کر رہی ہے اب تقاضا شاعری
فکرِ دنیا سے رہائی دے مجھے

وا کر اب ماجدؔ پہ اپنی رحمتیں
حرفِ تازہ کی کمائی دے مجھے

کچھ ہاتھ لگ ہی جائے گا آوارگی کے بعد
یعنی سکون پاؤں گا میں زندگی کے بعد

درپیش مسئلہ رہا مجھ کو تمام عمر
آنکھوں سے اشک بہنے لگے ہر خوشی کے بعد

دعوی تھا ایک کام کا جو ہو نہیں سکا
مجھ کو بتا میں کیا کروں اب عاشقی کے بعد

الہام تھا عروج پہ بے چین تھی فضا
آخر سکون آ ہی گیا شاعری کے بعد

ہونا بروزِ حشر ہے بخشش کا فیصلہ
دل سوچتا ہے کیا کرے گا بندگی کے بعد

ادراک جب سے ہو گیا اپنے وجود کا
ہر سانس بار لگنے لگی آگہی کے بعد

یہ وہم تھا یزید ترا، مٹ گئے حسین
اٹھ دیکھ ہو گئے ہیں امر تشنگی کے بعد

ماجدؔ یہ واہ واہ کا ہے شور پُر فریب
پوچھوں گا کچھ سوال مگر مفلسی کے بعد

ہر اک کا احترام کیا میں نہیں رہا
اس پر سخن تمام کیا میں نہیں رہا
میں نے سنا تھا عشق کی آیت ہے کارگر
جب معجزہ یہ عام کیا میں نہیں رہا
اپنی ہی ذات کی نفی کرتا رہا سدا
ہر لمحہ تیرے نام کیا میں نہیں رہا
غم کو اُٹھا کے گود میں پالا بڑا کیا
اس درجہ اہتمام کیا میں نہیں رہا
مٹی پکارتی تھی مجھے مان رکھ لیا
اٹھا سفر تمام کیا میں نہیں رہا
مجھ کو پرکھ رہا تھا عجب زاویے سے وہ
کیا اچھا میں نے کام کیا میں نہیں رہا
میں مسلکوں کی آگ کا ایندھن بنا رہا
کج فہم جب امام کیا میں نہیں رہا
سارے گناہ تیرے، لیے اپنے دوش پر
اونچا ترا مقام کیا میں نہیں رہا
روحانیت کے دور کا ماجدؔ ہے واقعہ
اک نور نے کلام کیا میں نہیں رہا

مت بے حسابِ حسن کرامات کیجیے
دن تھک چکا خدا کے لیے رات کیجیے

بیٹھے ہوئے ہیں کاسہ لیے در پہ کچھ گدا
اُن کی طرف بھی دیکھیے خیرات کیجیے

جو واقعات دہر سے ہم کو عطا ہوئے
قرطاس کے سپرد وہ صدمات کیجیے

شوخی نہ کر تو وصل کو خوش قسمتی سمجھ
آیا ہوں خواب میں سو ملاقات کیجیے

لگ جائے گی نظر تجھے خدشہ ہے یہ مجھے
ہونٹوں کو مت ہلائیے، کم بات کیجیے

اربابِ اختیار! سکوں چاہیے ہمیں
پُر امن رب کے واسطے حالات کیجیے

کیسا عجب فقیر تھا آنکھیں بھی دے گیا
اب الٹے سیدھے پیچھے سوالات کیجیے

ماجدؔ خوشی کی چاہ میں گزری تمام عمر
باقی جو رہ گئی ہے مناجات کیجیے

اتنا نہ اپنے آپ کو تو معتبر سمجھ
جو بس چکا ہے لوگوں کے دل میں وہ ڈر سمجھ

جیسے ہے تیری چاہ یہاں پر قیام کر
یہ دل ہے میری جان اسے اپنا گھر سمجھ

سوتے ہوئے بھی رہتی ہیں آنکھیں مری کھلی
یعنی کہ تیرا وصل ہے اب منتظر سمجھ

گندم کو کھا کے دہر میں آنے کا حادثہ
نکتہ بڑا عجیب ہے نکتہ بشر سمجھ

لگتا ہے تو بھی عشق کی کرتا ہے پیروی
صحرا نصیب ہستی کو اب دربدر سمجھ

مجھ کو نہ کھینچ جانبِ محفل، میں تنگ ہوں
مشغول اپنی لے میں ہوں اے چارہ گر سمجھ

گر دائمی سکون کا طالب ہے تیرا قلب
دنیائے بے ثبات کو پھر مختصر سمجھ

قبل اس کے یہ وجود بھی ہو جائے داستاں
ماجدؔ رموزِ زندگی کو پیشتر سمجھ

اور کتنا آزمایا جاؤں گا
کیا خبر تھی یوں رُلایا جاؤں گا

یہ حقیقت ہے جہاں کی دوستو
فکرِ دنیا میں ستایا جاؤں گا

ڈر لگے گا مجھ کو اپنے سائے سے
درمیاں وحشت کے پایا جاؤں گا

جب فلک پر فیصلہ ہوگا مرا
چار کندھوں پر اٹھایا جاؤں گا

ایک دانے کی ملی اتنی سزا
آسماں سے یوں گرایا جاؤں گا

ہے قیامت نام کا مطلب یہی
بعد مرنے کے اٹھایا جاؤں گا

طے ہوا ماجدؔ چلو سوئے عدم
لے کے ساتھ اپنا ہی سایہ جاؤں گا

بالآخر یہ سر بھی نگوں ہو گیا
جو سوچا نہیں تھا وہ یوں ہو گیا

نگاہوں سے اُن کا گرانا تھا اور
محبت سے آگے جنوں ہو گیا

تڑپتا تھا سینے کی گلیوں میں دل
پھر ایسا ہوا کہ سکوں ہو گیا

یہ اہلِ خرد بات سمجھے نہیں
جو کہتے ہیں مجھ پر فسوں ہو گیا

عجب قتل تھا یہ نشاں تک نہیں
انوکھا نگاہوں سے خُوں ہو گیا

جو ہونا تھا ماجدؔ وہ ہو کر رہا
مگر سوچتا ہوں یہ کیوں ہو گیا

کاسہ بنا کے ہاتھ کو پھیلا دیا گیا
جو ربِ کائنات سے مانگا، دیا گیا

صحرا نوردیوں نے کیا عشق معتبر
سو تشنگی کے ماروں کو دریا دیا گیا

جو لوگ آفتاب کی خواہش میں تھے مگن
نیت سبھی کی جانچ کے رُتبہ دیا گیا

کتنا حسین لمحہ تھا روئے زمین پر
مخلوق کو جب آپؐ کا تحفہ دیا گیا

دولت سکوں کی دیکھیے نعمت سے کم نہیں
کوفہ مزاج لوگوں کو صدمہ دیا گیا

معراج مصطفیٰؐ پہ حجابات اٹھ گئے
موسیٰ کو اوجِ طور سے بہلا دیا گیا

کُن سے ہی کائنات کی تخلیق ہو گئی
اک بار جب زبان سے فرما دیا گیا

یوں فاتحہ پڑھی گئی ماجدؔ وجود پر
مٹی کے نیچے زعم کو دفنا دیا گیا

الفاظ کے ہتھیار سے میں وار کروں گا
اے وقت کے فرعون میں انکار کروں گا

آئینے میں دکھلاؤں گا تجھ کو تری صورت
میں سانس بھی لینا ترا دشوار کروں گا

اس عہد میں گویائی کا ذمہ ہے مرے سر
جو کام ہے میرا وہ مرے یار کروں گا

تو لاکھ لگا تہمتیں کردار پہ میرے
میں باز نہیں آؤں گا اظہار کروں گا

ہوتا ہے کوئی سر پھرا ہر دور میں ماجدؔ
ان مردہ ضمیروں کو میں بیدار کروں گا

مری قسمت میں کیا لکھا گیا ہے
مرے بارے میں کیا سوچا گیا ہے

مجھے اس خواب کی بابت بتاؤ
گزشتہ رات جو دیکھا گیا ہے

یہ نکتہ میں سمجھ پایا نہیں ہوں
زمیں پر کیوں مجھے بھیجا گیا ہے

یہ مٹی مٹی کی دشمن ہوئی ہے
جو خاکی خاک پر گھبرا گیا ہے

جو ناری ہے بشر کا ازلی دشمن
وہ روزِ حشر تک چھوڑا گیا ہے

فرشتے چیخ کر یہ کہہ رہے ہیں
ترا نالہ فلک تک آ گیا ہے

ازل سے تھی ابد تک کی کہانی
جو ماجدؔ شعر میں کہتا گیا ہے

مت پوچھ نارسائی کا دکھ کھا گیا مجھے
یعنی تری جدائی کا دکھ کھا گیا مجھے

میرے خلاف سازشیں کرتے رہے رقیب
ہاں ہاں سنی سنائی کا دکھ کھا گیا مجھے

کر لیتا اختیار ذرا سی منافقت
حد درجہ پارسائی کا دکھ کھا گیا مجھے

غم کی گھڑی میں شانہ بھی کوئی نہ مل سکا
حساس تھا اکائی کا دکھ کھا گیا مجھے

پیچھے دھکیلتے رہے کیوں مجھ کو صف بہ صف
یاروں کی خودنمائی کا دکھ کھا گیا مجھے

کچھ اشک میری زیست کا حاصل رہے سدا
ماجدؔ اُسی کمائی کا دکھ کھا گیا مجھے

مشغول اپنی ذات میں ہم اک ملنگ سے
دنیائے بے ثبات میں رہتے ہیں تنگ سے

مجھ کو زمیں کے ساتھ لگانے کے واسطے
وہ چال چل رہا ہے کسی اور ڈھنگ سے

اے نامہ بر بتا اُسے قلعہ نہیں ہے دل
مت وار اس پہ کیجیے تیر و تفنگ سے

ایمان ڈگمگاتا ہے دہلیز پر تری
شعلے سے اٹھنے لگتے ہیں پھر انگ انگ سے

کیسے یہ اٹھ کھڑا ہوا گرنے کے باوجود
رہنے لگے حریف بھی اب میرے دنگ سے

نکلا میں اپنے شہر میں جب سیر کے لیے
بکھرے ہوئے وجود تھے رستوں پہ سنگ سے

ماجدؔ منافقوں سے بچا اپنی ذات کو
احباب جلنے لگ گئے ہیں تیرے رنگ سے

حالات و واقعات کو بس دیکھتے رہو
ہاتھوں پہ دھر کے ہاتھ کو بس دیکھتے رہو
اہلِ ہوس نے گروی وطن اپنا کر دیا
تم کمّیوں کی ذات کو بس دیکھتے رہو
سچ جھوٹ کے تضاد میں پڑتے ہو کس لیے
خاموش حادثات کو بس دیکھتے رہو
اہلِ خرد جنوں سے تمھیں واسطہ ہے کیا
شرمندہ اس حیات کو بس دیکھتے رہو
نوچا وطن کو ٹکڑے کیا بیچ بھی دیا
رہزن کی جیت مات کو بس دیکھتے رہو
جمہوریت کے نام پر کھاتے رہو فریب
اور مک مکا کے ساتھ کو بس دیکھتے رہو
تو بھی غلام تھا ترے بچے بھی ہیں غلام
ہر سمت چھائی رات کو بس دیکھتے رہو
ماجدؔ یہاں سوال کے بدلے میں موت ہے
بوٹوں کی باقیات کو بس دیکھتے رہو

ہنس رہا ہے زمانہ مجھے دیکھ کر
تم نہ پتھر اٹھانا مجھے دیکھ کر

راکھ ہو جاؤ گے مجھ کو چھونے سے تم
پاس میرے نہ آنا مجھے دیکھ کر

مجھ سے دانستہ نظریں چراتا ہے وہ
راحتِ جاں پرانا مجھے دیکھ کر

عشق در پر ترے کھینچ لایا ہے پھر
رخ سے پردہ ہٹانا مجھے دیکھ کر

یاد اس کو نہیں نام تک بھی مرا
کر گیا ہے بہانا مجھے دیکھ کر

دن گزر جائیں گے یونہی ماجدؔ مرے
رکتا کب ہے زمانہ مجھے دیکھ کر

جس قوم کو عادت ہو پڑی جور و جفا کی
اُمید نہ رکھنا کبھی تم اُس سے وفا کی

دیکھا ہے جو قرطاس پہ تحریر کیا ہے
صد شکر خدایا یہ مجھے سوچ عطا کی

ہاں لاکھ کہا ہم سے کہو شہ کا قصیدہ
ہم نے نہ لٹیروں کی کسی طور ثنا کی

مسند کے پجاری ہیں مرے دیس کے حاکم
ہیں مستِ مفادات نہیں فکر فنا کی

تاریخ کے اوراق پہ میں زندہ رہوں گا
وہ شخص ہوں جس نے ہے لڑی جنگ بقا کی

زردار حقارت سے مجھے دیکھ رہا ہے
سچ ہی تو لکھا، بات کہی خلقِ خدا کی

ماجؔد انہیں افکار سے نسبت نہیں رہتی
مصروف جو ہوں جنگ میں بدلے کی، انا کی

کھول کر دل کے دریچے داستاں تحریر کر
لکھ زمیں کے خال و خد اور آسماں تحریر کر

وحشتِ قلبِ حزیں اب لا جہاں کے سامنے
اور اٹھا کاغذ قلم آہ و فغاں تحریر کر

جس نے فرقوں میں کیا بھائی کو بھائی سے جدا
واعظوں کی بات کر نام و نشاں تحریر کر

خوابِ غفلت سے جگا دے جو مری اس قوم کو
کرب میں ڈوبا ہوا ایسا بیاں تحریر کر

اب تخیل کی مرے پرواز ہے افلاک پر
کامیابی کا سبب ہے میری ماں تحریر کر

کیا ترا اس خلد سے آنا ہوا ہے کارگر
کیا ملا کیا کھو گیا سود و زیاں تحریر کر

کہہ گیا ماجدؔ تو مدہوشی میں گرچہ دل کی بات
حق کے بدلے میں ملے تیر و سناں تحریر کر

مصیبت میں سہارا مانگتا ہوں
میں دریا سے کنارہ مانگتا ہوں

مری نادانی تھی یا بدنصیبی
تجھے تجھ سے دوبارہ مانگتا ہوں

جہاں سے کوچ کرنا ہے مجھے بھی
مگر تیرا اشارہ مانگتا ہوں

مرے خوابوں کی تم تعبیر دے دو
دلِ مضطر کا ہارا مانگتا ہوں

جہاں میں تیرگی بڑھنے لگی ہے
اندھیرے میں ستارہ مانگتا ہوں

مری ہر بات سے جلنے لگے ہو
کہاں میں حق تمہارا مانگتا ہوں

اگر چلنا ہے میرے سنگ ماجدؔ
الگ سوچوں کا دھارا مانگتا ہوں

بھوک افلاس میں شاعری شاعری
موسمِ خاص میں شاعری شاعری
جب نباتات پر میں نے ڈالی نظر
پات پر گھاس میں شاعری شاعری
اب کے بنجر زمینوں میں لکھ کچھ نیا
ہے اِسی آس میں شاعری شاعری
زور مصرع پہ کم، جھانک اندر میاں
لفظ حساس میں شاعری شاعری
نرم و نازک بدن پھول سا دلنشیں
ہے رچی باس میں شاعری شاعری
شعر تکمیل پائے گا کچھ دیر میں
ناچے انفاس میں شاعری شاعری
ہے سہارا یہی اک قلمکار کا
درد میں یاس میں شاعری شاعری
جزو، ماجدؔ! بنی یہ مرے جسم کا
خون میں ماس میں شاعری شاعری

کر غور ہر لحاظ سے خانہ خراب ہے
رہزن ہمارے دیس کا عزت مآب ہے

کوئی تو سچ کو سچ کی زباں میں بیاں کرے
کتنی دہائیوں سے جو زیرِ عتاب ہے

سچ جھوٹ کے تضاد کو جب بھانپ لے گنوار
تبدیلی اس کا نام یہی انقلاب ہے

آفت ہو آسمانی زمینی علاج ہو
اف اف دماغ آپ کا کتنا خراب ہے

ہیں منکر و نکیر رواں جانبِ میاں
شجرے کھنگالتا ہوا یومِ حساب ہے

تعبیر کا تو فکر پہ دار و مدار رکھ
سمجھو ہر اک کمال کی بنیاد خواب ہے

مت ڈھونگ پارسائی کا کرتا پھرے ہجوم
مت بھولیے یہ آپ کا ہی انتخاب ہے

کیسے براجمان رہے اپنے تخت پر
مشکل میں ڈالتا ہوا قومی خطاب ہے

درباریوں کی چشم پہ قربان جاؤں میں
کانٹے کو کہہ رہے ہیں کہ یہ تو گلاب ہے

ماجدؔ قلم کو وجد میں لا اور سچ اگل
کنکر سخن کے مار، کہ یہ بھی ثواب ہے

مت سازشوں سے مجھ کو گرا شعر کہہ میاں
مشقِ سخن سے خود کو اٹھا شعر کہہ میاں

بونوں کی چاکری پہ تو مت انحصار کر
چلتا ہے تیر آپ چلا شعر کہہ میاں

سامع بھی تیرے ورطۂ حیرت میں ہوں پڑے
مت غیر کی زمین چُرا شعر کہہ میاں

یہ رب کی دین ہے جسے چاہے نواز دے
چل راستے سے کانٹے ہٹا شعر کہہ میاں

حاسد کے لب پہ تیری غزل بولنے لگے
اٹھ اٹھ کے داد ایسے کما شعر کہہ میاں

میں گھولتا ہوں شعر میں ایام زیست کے
ہوتا ہے ہر خیال ہرا شعر کہہ میاں

کب تک لبادہ جھوٹ کا تجھ کو چھپائے گا
مت بے وقوف خود کو بنا شعر کہہ میاں

بچے اٹھا کے اوروں کے مت خود سے باپ بن
ہلکا سا زور خود بھی لگا شعر کہہ میاں

ابہام اپنی بات میں رکھا نہیں روا
ماجدؔ نے بے دھڑک یہ کہا شعر کہہ میاں

کیا بتاؤں کیا چھپا ہے وقت کی آغوش میں
اک انوکھا حادثہ ہے وقت کی آغوش میں

چاروں خانے چت ہوئے لیکن وہ ہارا تو نہیں
سینہ تانے جو کھڑا ہے وقت کی آغوش میں

کیا خوشی کا ایک لمحہ بھی مقدر میں نہیں
کال ایسا کیوں پڑا ہے وقت کی آغوش میں

میرے ہر اک واقعہ میں روشنی مقتول ہے
حادثوں کا سلسلہ ہے وقت کی آغوش میں

کس لیے نالاں ہے مجھ سے چھوڑ ایسے ضد نہ کر
وقت بھی کم رہ گیا ہے وقت کی آغوش میں

شور برپا کر رہا ہے خامشی کا اژدہا
جیسے کچھ ہونے لگا ہے وقت کی آغوش میں

جو خیانت سے بچا لے لفظ کی توقیر کو
شش جہت وہ گونجتا ہے وقت کی آغوش میں

میرے شجرے میں ہیں شامل حق پرستی کے نکات
ایک ماجدؔ سر پھرا ہے وقت کی آغوش میں

کتنی حسیں اٹھان ہے اک شور ہے بپا
دل پر براجمان ہے اک شور ہے بپا
سانسوں کو دستیاب ہے چہرے کی تازگی
ہر لحظہ امتحان ہے اک شور ہے بپا
چیخیں سنائی دینے لگیں عشق کی مجھے
مشکل میں یہ جہان ہے اک شور ہے بپا
گیسو ہٹائے رات کے منظر کو مات دے
بھرپور داستان ہے اک شور ہے بپا
اہلِ زمیں کے ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے بات
مستی میں آسمان ہے اک شور ہے بپا
ڈر ہے کہ میرے قلب کو کر دے نہ خاک سا
کچا سا اک مکان ہے اک شور ہے بپا
ماجدؔ قضائے عشق سے بہتر ادائیگی
سن عشق کی اذان ہے اک شور ہے بپا

ہر لمحہ پُر ملال ہے کس بات کی خوشی
ہر اک نفس وبال ہے کس بات کی خوشی

جس کو سکوں نے ترک کیا زیر کر دیا
تازہ مری مثال ہے کس بات کی خوشی

دیکھو فلک بھی میرا مخالف ہے ان دنوں
شمس و قمر کی چال ہے کس بات کی خوشی

اپنی شناخت مانگتا ہوں آئنے سے میں
بہکا ہوا سوال ہے کس بات کی خوشی

اٹکا ہوا ہوں خواب کی دہلیز پر خدا
نے ہجر نے وصال ہے کس بات کی خوشی

مجھ کو مرے وجود نے دے ڈالا ہے جواب
ناچیز اب نڈھال ہے کس بات کی خوشی

کیا خاک مستفید ہو پیغام سے ترے
جب رزق کا خیال ہے کس بات کی خوشی

شکوے اگل رہا ہے مرا اس لیے قلم
رگ رگ میں اشتعال ہے کس بات کی خوشی

نیند سے خواب چرایا ہوتا
کچھ الگ کر کے دکھایا ہوتا

تیرے آنے کی منادی کرتا
تو نے آنا تھا بتایا ہوتا

جس پہ افکار مشقت کرتے
نکتہ ایسا بھی اٹھایا ہوتا

ایک آواز ستاتی ہے مجھے
سونے والوں کو جگایا ہوتا

جس میں تاریخ بھی لیتی کروٹ
شعر ایسا بھی بنایا ہوتا

بچ نکلتا میں تری دنیا سے
گُر اگر مجھ کو سکھایا ہوتا

چیختی رات عیادت پہ مری
شب کو پہلو میں سلایا ہوتا

تجھ کو فنکار سمجھتا ماجدؔ
کھوٹا سکہ تھا چلایا ہوتا

عزت کے ساتھ جینے کی قیمت چکائیے
اپنا ہی لاشہ کاندھے پہ اپنے اٹھائیے

اس ارضِ بے ثبات میں سکھ چین لُٹ گیا
آپ اپنی بات کیجیے اپنی بتائیے

میں نے سنا ہے دہر میں کامل ولی بھی ہیں
عاصی گناہ گار کو ان سے ملائیے

اتنی تو زندگی میں سہولت ہو دستیاب
کوئی تو خوشنما ہمیں منظر دکھائیے

یہ جستجو ہے خاک کی آئینہ دیکھ لے
اب خاک کے بشر کو خودی سے ملائیے

انسانیت کے لفظ پہ ہی غور کیجیے
اپنوں کا بے دریغ نہ یوں خوں بہائیے

امکان زندگی کا ہو جس میں قدم قدم
ہو مختصر ہی زائچہ لیکن بنائیے

ماجدؔ کا ساتھ دیجیے اس کارِ خیر میں
جتنے چراغ بجھ گئے پھر سے جلائیے

سانسوں کا اضطراب ہے بھٹکے وجود میں
ہر لمحہ احتساب ہے بھٹکے وجود میں

باہر ہیں تیرگی کی ردائیں تنی ہوئیں
مشکل میں آفتاب ہے بھٹکے وجود میں

خود کو تلاشنے کی منازل پہ ہوں کھڑا
یہ وجہِ انقلاب ہے بھٹکے وجود میں

کیسی عجیب مٹی سے تشکیل کی مری
کیوں حرص بے حساب ہے بھٹکے وجود میں

جب تک خرد کو عشق نے دینی ہیں مہلتیں
تب تک گنہ ثواب ہے بھٹکے وجود میں

سمجھے گا کون روح میں چیخوں کی بے بسی
جو شاملِ نصاب ہے بھٹکے وجود میں

ہر آہ کو میں شعر کی دیتا ہوں صورتیں
ہر پل نیا عذاب ہے بھٹکے وجود میں

کروٹ بدلنی چاہیے اب نفس کو مرے
ماؔجد جو محوِ خواب ہے بھٹکے وجود میں

ان درختوں سے بات کرنی ہے
مجھ کو اپنوں سے بات کرنی ہے

میں نے صحرا میں ڈیرہ ڈالا ہے
ریگزاروں سے بات کرنی ہے

میں تلاشوں گا اپنے جیسوں کو
دل فگاروں سے بات کرنی ہے

جو ہوئے آسمان کی زینت
چاند تاروں سے بات کرنی ہے

جن کو صحبت ملی تھی آقا ﷺ کی
ایسے غاروں سے بات کرنی ہے

عشق کرنا ہے آخری حد تک
جاں نثاروں سے بات کرنی ہے

جست بھرنی ہے ان پرندوں سی
اور ہواوں سے بات کرنی ہے

اب یقیناً جواب آئے گا
کوہساروں سے بات کرنی ہے

سلسلہ جوڑنا ہے ولیوں سے
کچھ مزاروں سے بات کرنی ہے

اہلِ دنیا سے مل چکا ماجدؔ
اب ستاروں سے بات کرنی ہے

ضبط لازم تھا کر لیا میں نے
جتنا ممکن تھا ڈر لیا میں نے

ہجر پھینکوں گا تیری جانب میں
اپنے حصے کا مر لیا میں نے

اب محبت طواف کرتی ہے
تیرے قصبے میں گھر لیا میں نے

تیری یادیں ہی کل اثاثہ ہیں
دیکھ، زادِ سفر لیا میں نے

روح پر عشق کا نزول ہوا
ذرے ذرے کو بھر لیا میں نے

یادِ جاناں میں جسم گُھلتا ہے
کیا سے کیا خود کو کر لیا میں نے

عشق ماجدؔ بنا مہم جوئی
راستہ پُر خطر لیا میں نے

تمہارے لمس سے مصرع کشید کرتا ہوں
خیالِ یار کو ایسے جدید کرتا ہوں

تمہارے عکس سے ہوتی ہے بات روزانہ
میں چاند دیکھتا رہتا ہوں عید کرتا ہوں

مجھے یقین ہے منزل پکار اٹھے گی
سو راہِ عشق میں محنت شدید کرتا ہوں

جہاں کے مسئلے کب تک لہو رلائیں گے
خدائے پاک سے گفت و شنید کرتا ہوں

سیاہ رات سے آنکھیں نہیں چراتا میں
ہر ایک ظلم بنامِ یزید کرتا ہوں

دُروں کی آگ نکلتی ہے لفظ کی صورت
سخن تراش کے مصرع رسید کرتا ہوں

یہ خود کلامی اذیت کی مات ہے ماجدؔ
میں خود سے اس لیے باتیں مزید کرتا ہوں

ناقابلِ بیان ہیں ڈر کی اذیتیں
ہر لحظہ بدگمان ہیں ڈر کی اذیتیں

معیارِ زندگی ہے مرے واسطے الگ
رکھتی الگ جہان ہیں ڈر کی اذیتیں

کچھ فاصلے پہ اس لیے دونوں وجود ہیں
حائل جو درمیان ہیں ڈر کی اذیتیں

کمزور ہو رہا ہے بدن سوچ سوچ کر
خوش باش اور جوان ہیں ڈر کی اذیتیں

اب قلب بھی دماغ کے تابع نہیں رہا
دل پر براجمان ہیں ڈر کی اذیتیں

ہر لفظ کی طرف سے بغاوت کا سامنا
چیخوں کی داستان ہیں ڈر کی اذیتیں

کیوں مجھ کو مات دینے کی کوشش میں ہیں مگن
مصروفِ امتحان ہیں ڈر کی اذیتیں

کیسے عجب مقام پہ ہے بابِ زندگی
ماجدؔ کی ترجمان ہیں ڈر کی اذیتیں

رنج و غم برداشت کرتا دیرپا ہوتا ہوا
دکھ کی چادر تان کر میں غم کدہ ہوتا ہوا

ظالم و مظلوم میرے سامنے ہیں ایک سے
خامشی سے دیکھتا ہوں حادثہ ہوتا ہوا

نفس کرنے لگ گیا ہے اب گنہ پر انحصار
کثرتِ عصیاں کا مارا، بدنما ہوتا ہوا

جھاڑتا ہوں یاد کے لمحے مسلسل جسم سے
عشق سے مہلک مرض میں مبتلا ہوتا ہوا

جس کی ہر اک بات کا محور ہماری ذات تھی
سمت وہ تبدیل کرتا بے وفا ہوتا ہوا

عشق میں یکتائی کا ہو اس سے بڑھ کر کیا ثبوت
دل کی دھڑکن سے نکل کر جا بجا ہوتا ہوا

کتنا پُر درد ہے سلسلہ عشق کا
چیرتا ہے بدن مرحلہ عشق کا
کوئی حد ہو مقرر کسی یاد کی
کوئی ترتیب دے ضابطہ عشق کا
چاہے مفلوج کر دے نظامِ حیات
دل سے قائم رہے رابطہ عشق کا
ابتدا، انتہا کا ہے مرکز وہی
ایک نقطے پہ ہے دائرہ عشق کا
جس نے دیکھا ہو تصدیق آ کر کرے
طُور سے پوچھیے دبدبہ عشق کا
تیرے جیسے کئی آئے اور چل دیئے
خواب رہ جائے گا خاتمہ عشق کا
مجھ سے کج فہم کے ہاتھ میں ہے قلم
درحقیقت ہے یہ معجزہ عشق کا
یہ مجازی حقیقت کی ہے اک کڑی
مجھ پہ ماؔجد کھُلا فلسفہ عشق کا

میں ہجر اور سکوت کو باہم ملاؤں گا
پھر اس کے بعد وصل کا نکتہ اٹھاؤں گا

کارِ ہوس نے عشق مرا کھوکھلا کیا
جتنا بھی ہو سکا اسے اتنا گھٹاؤں گا

ان واعظانِ شہر کو معلوم بھی نہیں
میں بندگی کے باب میں کیا کر دکھاؤں گا

جتنے مغالطے ہیں خرد کے نکال کر
حیرت سرائے عشق میں ہر دم نچاؤں گا

جل جاؤں گا میں آگ میں یا پاؤں گا دوام
جو بھی بنے گا خاک کا میں تو بناؤں گا

کوشش کروں گا نور سے ہو خاک مستفید
اک بار تیرے عرش سے میں سر لگاؤں گا

یہ عشق کے مقام کی ادنیٰ مثال ہے
دنیا کو اپنے ہاتھ پہ دنیا دکھاؤں گا

ماجدؔ درودِ پاک کی کثرت سے ایک دن
رستے پکاریں گے مجھے منزل میں پاؤں گا

بھڑکتی آگ میں شعلہ تلاش کرتا ہوں
کہانی کار ہوں قصہ تلاش کرتا ہوں
درونِ چشم کوئی عکس جگمگاتا ہے
خیال و خواب کا رشتہ تلاش کرتا ہوں
ہوس کی ماری ہوئی خاک جابجا دیکھوں
نظامِ دہر میں بندہ تلاش کرتا ہوں
خیالِ یار کی دنیا عجیب دنیا ہے
جبیں پہ آخری بوسہ تلاش کرتا ہوں
گنہ ثواب سے ہٹ کر ہو کوئی پیمانہ
نجانے کون سا رستہ تلاش کرتا ہوں
غموں کے ساتھ مرا کچھ نہ کچھ تعلق ہے
الم کا اس لیے شجرہ تلاش کرتا ہوں
بھٹکتی خلق میں ماجدؔ پھروں میں افسردہ
نبیؐ کا آخری خطبہ تلاش کرتا ہوں

چاہت کا احساس دلانا پڑتا ہے
ہر صورت میں یار منانا پڑتا ہے
اس کی یادیں رقص کریں جب رات گئے
گُھپ کمرے میں شور مچانا پڑتا ہے
بینا جب اندھوں کی بولی بول پڑیں
نیزے پر قرآن سنانا پڑتا ہے
دل کا بوجھ بھی آجاتا ہے کاغذ پر
ہر مصرع میں خون ملانا پڑتا ہے
حسن تغافل کرتا ہو ملنے سے جب
خواب میں آنا خواب میں جانا پڑتا ہے
ہجر کا لمحہ بین کی صورت ہے کھلتا
آنکھوں سے جب اشک بہانا پڑتا ہے
چھوٹی عمر میں جن کے وارث کوچ کریں
ہوں کندھے کمزور کمانا پڑتا ہے
دکھ کی گٹھڑی کھلتی ہے قرطاس سرے
ماؔجد جب بھی شعر بنانا پڑتا ہے

آنکھوں میں کوئی خواب نہیں اور کیا کہوں
خود کو بھی دستیاب نہیں اور کیا کہوں

خواہش جو کر رہی ہے مری ہمنوائی کی
اس سے بڑا عذاب نہیں اور کیا کہوں

لمحہ ترے خمار کا نذرِ عدم ہوا
سانسوں میں اضطراب نہیں اور کیا کہوں

رستے کے پیچ و تاب میں جگنو بھٹک گئے
سر پر بھی آفتاب نہیں اور کیا کہوں

جو کچھ بھی زندگی نے دیا ہنس کے لے لیا
غم سے بھی اجتناب نہیں اور کیا کہوں

ماؔجد چلے ہی جاتی ہے یوں زندگی کی ریل
دن رات کا حساب نہیں اور کیا کہوں

تمہارے ہجر میں تازہ غزل بناتا ہوں
کبھی ردیف کبھی قافیہ اٹھاتا ہوں

ہمارے اشک ہمیں تک رہیں تو اچھا ہے
چراغ جلتے ہوئے اس لیے بجھاتا ہوں

قلم دوات مری تیرگی کے ساتھی ہیں
ورق پہ کھینچ کے اندر کا کرب لاتا ہوں

جدائی بانٹ رہا ہے وہ قادرِ مطلق
یہی رضا ہے تری چل میں سر جھکاتا ہوں

جہاں پہ لوگ محبت سے حظ اٹھاتے ہیں
وہاں پہ بیٹھ کے میں تیرا غم مناتا ہوں

اتار پھینکوں گا تجھ کو میں دل کی مسند سے
جو ٹھان لیتا ہوں آخر میں کر دکھاتا ہوں

خلل دماغ کا ماجدؔ ڈبو گیا مجھ کو
نجانے عشق پہ الزام کیوں لگاتا ہوں

ہاں عمر بھر کا ساتھ نبھانا اُسے بھی ہے
یہ معجزہ تو کر کے دکھانا اُسے بھی ہے

میں ہی نہیں جو کارِ جنوں میں پڑا رہوں
سن سن شبِ فراق رلانا اُسے بھی ہے

ہر بار التجا پہ مری کان کیوں دھرے
آخر نظامِ دہر چلانا اُسے بھی ہے

دل سے اتر گیا تو کہانی تمام شُد
دو ٹوک فیصلہ یہ سنانا اُسے بھی ہے

ماجدؔ خسارہ میرے ہی حصے نہ آئے گا
تنہائیوں کا بوجھ اُٹھانا اُسے بھی ہے

خیرات میں وصال نہیں چاہیے مجھے
یوں عشق میں کمال نہیں چاہیے مجھے

ہر ایک یاد اُس کی، سلیقے سے ہو جدا
ہو زندگی وبال، نہیں چاہیے مجھے

قدموں کا میرے شور فلک تک سنائی دے
بے ربط سی دھمال نہیں چاہیے مجھے

میں نے بھی راہِ عشق میں کرنا ہے کچھ نیا
فرہاد کی مثال نہیں چاہیے مجھے

رستہ دکھا کہ تجھ سے بڑا رہنما ہے کون
ہر لمحہ پُر ملال نہیں چاہیے مجھے

میں قطع کر رہا ہوں اذیت کا سلسلہ
سو یادِ خوش جمال نہیں چاہیے مجھے

مجھ پر بھی زندگی کی گرہ وا کرے کوئی
الجھا ہوا سوال نہیں چاہیے مجھے

ماجدؔ میں روند ڈالوں گا خوابوں کی سرزمیں
ہر پل نیا خیال نہیں چاہیے مجھے

جسم سے اُتری ہوئی پوشاک تھی
خاک پر موجود پھر سے خاک تھی

اک نظر دل کی صفائی کر گئی
آنکھ گویا صاحبِ ادراک تھی

جو کہانی چھوڑ آیا خلد میں
اب مسلسل وہ تہہِ افلاک تھی

اک محمدؐ نام پر بخشا گیا
اس پہ حیراں چشمِ غم نمناک تھی

خواب کے نرغے میں گزرے روز و شب
زندگی بھی کس قدر چالاک تھی

اک خطا نے کر دیا رسوا مجھے
اس سے پہلے مٹی ساری پاک تھی

لمحے ترے فراق کے ڈستے رہیں گے کیا
نوحے تمام عمر ہی لکھتے رہیں گے کیا
ظلم و ستم پہ رونا وتیرہ بنا لیا
سو خامشی پہ حادثے ہوتے رہیں گے کیا
دشمن بنا دیئے گئے اک دوسرے کے ہم
نفرت کے بیج قلب میں بوتے رہیں گے کیا
دل کے قفس سے یار کو آزاد کیجیے
شب بھر اُسی کی یادیں روتے رہیں گے کیا
آتش نے گھیر رکھا ہے کب سے چمن مرا
نغمے پیامِ امن کے گاتے رہیں گے کیا
ارزاں ہوئی ہے سانس ستم کے دیار میں
ہو کر کھڑے قطار میں مرتے رہیں گے کیا
ہے ریتلی زمین سے بادل گُریز پا
صحرا ہمارے دھوپ سے جلتے رہیں گے کیا
ہر حال میں جمود کا مطلب تو موت ہے
ماؔجد قدم بڑھانے سے ڈرتے رہیں گے کیا

زمیں کو آسماں سے کیوں ملایا جا رہا ہے
یہ منظر کس لیے ہم کو دکھایا جا رہا ہے

مجھے معلوم ہے ہو گی فنا فی اللہ کی منزل
جو قطرے کو سمندر سے ملایا جا رہا ہے

خیال آیا کبھی تجھ کو تری عظمت ہے کتنی
فرشتوں سے تجھے سجدہ کرایا جا رہا ہے

رہِ محشر کی جانب اب سفر کی ابتدا ہے
اُگلتی ہے زمیں مُردے، اٹھایا جا رہا ہے

ہیں اٹکی حلق میں سانسیں کھڑا ہوں منتظر میں
گدائے مصطفیٰ ہے یہ بتایا جا رہا ہے

جہاں میں چار کندھوں تک اضافی وقت لائے
یہ خاکی لے کے ماجدؔ ساتھ سایہ جا رہا ہے

کیسے بتاؤں آپ کو کیا دیکھتا ہوں میں
اپنے وطن کے بارے میں کیا سوچتا ہوں میں

انجام حق پرستی کا معلوم ہے مجھے
سر نیزے پر چڑھے گا مرا جانتا ہوں میں

مجھ کو احد احد کی صداؤں پہ ہے یقیں
اس کے سوا کسی کو نہیں جانتا ہوں میں

کیسے میں چند سکوں میں ایمان بیچ دوں
زندہ ہوں، باضمیر ہوں، ہاں بولتا ہوں میں

ظالم کی چیخ سنتا ہوں قرطاس کے سرے
ماؔجد قلم کے وار سے جب روکتا ہوں میں

سوچا ہے کبھی تم نے یہ کون و مکاں کیا ہے
یہ نعرۂ حق کیا ہے اور وردِ زباں کیا ہے

اے حق کے پیمبر سن منزل پہ نگاہیں رکھ
مت سوچ کسی پل بھی یہ سود و زیاں کیا ہے

بس دید کی حسرت ہے اس خلد کو بھی دیکھوں
طالب ہے بشر جس کا، اُس پار وہاں کیا ہے

اک درد کا ٹکڑا ہے تم قلب سمجھتے ہو
ہر پل ہی سلگتا ہے یہ اٹھتا دھواں کیا ہے

دل رکھ کے ہتھیلی پر اشعار مرے پڑھنا
تب جان سکو گے تم احساسِ زیاں کیا ہے

اس قلبِ نامراد کی مانی ہوئی ہے کیوں
خود کو تباہ کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے کیوں
بچپن ہمارا وقت کے شعلوں میں جل گیا
اور نذرِ حادثات جوانی ہوئی ہے کیوں
پہلے تو درد ملتے تھے اقساط میں مجھے
عاشق، یہ مجھ پہ رنج کی رانی، ہوئی ہے کیوں
یہ کون ہے جو میرے مخالف ہے دم بدم
جو حادثہ تھا، آج، کہانی ہوئی ہے کیوں
میں نے درونِ ذات کا قصہ کیا بیاں
آنکھوں سے تیری اشک فشانی ہوئی ہے کیوں
رنج و الم بھی راس مجھے آنے جب لگے
اے سانس میری سانس تو فانی ہوئی ہے کیوں
جو کرب تھا بیان وہ ماجدؔ نے کر دیا
قاتل ہماری شعلہ بیانی ہوئی ہے کیوں

تنگ گلیوں سے نکل کر رونقِ بازار تک
خود ہی چل کر آ گیا ہوں میں نئے آزار تک

ہو میسر کس جگہ اب جسم کو راحت نصیب
دھوپ بھی پھیلی ہوئی ہے سایۂ دیوار تک

شعر گوئی کی مشقت کرب سے لبریز ہے
روز و شب سے ماورا ہے چھین لے سنسار تک

کس طرح ہو استفادہ غیر کے اطوار سے
فتنہ پرور آگ تھی جو کھا گئی اشجار تک

راست گوئی موت سے ملتی ہے روز و شب گلے
خُوں میں لتھڑے مل رہے ہیں دیکھیے اخبار تک

کچھ سمجھ آتا نہیں ہے کون سے عالم میں ہوں
صدمے بُنتی ساعتیں ہیں لفظ سے گفتار تک

حق نمائش کے لیے ہوتا نہیں ہے واعظا
اس لیے لایا ہوں گردن کھینچ کر میں دار تک

جھوٹ سچ ، ماجد! کہاں ہے، یہ کہانی پھر سہی
ہے طویل اک داستاں ہر صاحبِ کردار تک

جسم کا روح سے رابطہ ختم شد
آگے دیوار ہے راستہ ختم شد
ہجر یادوں کی کب تک اسیری بُنے
کیجیے درد کا سلسلہ ختم شد
کون کیسے مَرا ہم کو مطلب ہے کیا
آؤ گھر کو چلیں حادثہ ختم شد
کیسے پل بھر میں رب سے ملاقی ہوئے
ایسے نکتے پہ ہے فلسفہ ختم شد
عشق اور جنگ میں کوئی حد ہے کہاں
میں نہیں مانتا ضابطہ، ختم شد
روندتا ہی گیا کتنی رفتار سے
خاک دل ہو گیا دبدبہ ختم شد
سر جھکایا گیا اُس کے دربار میں
جو مجازی کا تھا مسئلہ ختم شد

کیسا بھنور اٹھائے گا یہ بوریا نشیں
افلاک سے ملائے گا یہ بوریا نشیں
اس کی نگاہِ شوق سے شق ہونگے سب قلوب
کچھ تیر یوں چلائے گا یہ بوریا نشیں
تلقین کی گئی ہے اسے عشق کی فقط
کانٹے کہاں بچھائے گا یہ بوریا نشیں
دیکھو تپش بڑھے گی زمیں پر جلال کی
سورج کو جب بلائے گا یہ بوریا نشیں
دنیا حقیر دیکھنا تم اُس کے پاؤں میں
گُدڑی کو جب ہٹائے گا یہ بوریا نشیں
ماتھے کی ہر لکیر پہ ہے اُس کی دسترس
کل کا تجھے بتائے گا یہ بوریا نشیں
ماجدؔ یہ روشنی کے سفر کا امین ہے
سو راستہ دکھائے گا یہ بوریا نشیں

ہر اک چھوٹی بات کے بارے سوچوں گا
وصل کی پہلی رات کے بارے سوچوں گا

جب تک میرے ساتھ کہانی کار چلا
تب تک میں صدمات کے بارے سوچوں گا

میرے کتنے خواب ادھورے رہتے ہیں
میں اس فانی ذات کے بارے سوچوں گا

تیرے عکس سے شب بھر باتیں کرنی ہیں
یادوں کی بارات کے بارے سوچوں گا

پہلے تنہا لڑنا ہے تنہائی سے
بعد میں تیرے سات کے بارے سوچوں گا

ناکامی بھی آ سکتی ہے حصے میں
جیت ہوئی ہے، مات کے بارے سوچوں گا

بنتے کام بگڑ جاتے ہیں تلخی سے
ماجدؔ میں جذبات کے بارے سوچوں گا

کیا عُذر ہے قبول دعا کر نہیں رہا
میں مرنا چاہتا ہوں مگر مر نہیں رہا

بعد از وفات تو مرا ہونا نہیں حساب
سب کچھ بھگت چکا ہوں مجھے ڈر نہیں رہا

کیا کچھ ہے جو زبان سے ہوتا نہیں ادا
بس اتنا جان لیجیے خود سر نہیں رہا

دن رات کی تمیز بھی مخدوش ہو گئی
بنجارہ بن گیا ہوں مرا گھر نہیں رہا

یہ ماننا پڑے گا کہ حق مات کھا گیا
موجود قتل گاہ میں جب سر نہیں رہا

ماؔجد میں بھول بیٹھا ہوں ماضی کی تلخیاں
وہ تیرا نام تھا جو اب ازبر نہیں رہا

نظمیں

ضمیر اپنا نہیں بیچا

مرے احباب کہتے ہیں
تمہاری عمر ہی کیا ہے
تمہیں کس بات کا غم ہے
تمہاری ساری تحریریں
بلا کا درد رکھتی ہیں
سبھی اشعار میں رقصاں حقیقت ہی حقیقت ہے
بجا ہے مان لیتے ہیں
مگر ماجد زمانے میں مضامیں اور بھی تو ہیں
کبھی تو زلفِ جاناں پر دکھا جوہر قلم کے تو
کبھی تو مرمریں بانہیں کبھی تو ہجر کی آہیں
فراق و وصل کی راہوں کے بارے میں بھی کچھ لکھو
میں سب کی بات سنتا ہوں خیال آتا ہے یہ دل میں
کوئی شاعر کوئی ناقد مجھے اتنا تو بتلائے
جہاں ہر سو دھماکے ہوں گھروں میں روز فاقے ہوں
کوئی مسجد کوئی مندر کوئی گرجا جہاں پر روز جلتا ہو
سڑک پر چلتے بندوں کو جلایا جاتا ہو زندہ
جہاں لاشوں کا ہو دھندہ

درندے دندناتے اور حاکم قہر ڈھاتے ہوں
بنا سوچے بنا سمجھے بنا تحقیق کے مجھ پر
کوئی فتوی لگاتا ہے کوئی آنکھیں دکھاتا ہے
بتاؤ ایسے عالم میں
میں کیسے زلفِ جاناں پر کوئی تحریر لکھ ڈالوں
نئی اک ہیر لکھ ڈالوں
یہ میرا ہمنوا شاعر کمی کو پورا کر دے گا
مگر مجھ کو تو ستر سال سے سوئے ہوئے مردے جگانے ہیں
خدا پوچھے گا جب مجھ سے تو باندھے ہاتھ کہہ دوں گا
جو دیکھا تھا وہی لکھا قلم سے شر کو ہے روکا
ضمیر اپنا نہیں بیچا۔ ضمیر اپنا نہیں بیچا

اچھوت لوگو

اٹھو اور اپنے حقوق چھینو
اچھوت لوگو
غلام ابنِ غلام بن کر جو چند سانسیں ملی ہیں تم کو گنوا نہ دینا
قدم بڑھانا صدائے حق کو بلند کرنا
نہیں نہیں کی نہ رٹ لگانا
تم ایسے کرنا
تماش بینوں کی طرح تم بھی تماشا تکنا
یا اپنے ہونے کا حق جتانا جو بوجھ تم پر لدا ہوا ہے اسے اٹھانا
اچھوت لوگو
جو ذہنی معذور اپنے لیڈر بنے ہوئے ہیں
انہیں بتانا کہ زندہ لاشوں پہ ان کا قبضہ ہے چند دن کا
اچھوت لوگو
تم اس حقیقت سے آشنا ہو امین و صادق نہیں ہو تم بھی
حرام لقمے تمہارے اندر مچل رہے ہیں
ہے جس کا ایمان زر کے تابع وہ بیچتا ہے ضمیر اپنا
تمہاری اوقات ہے ٹکے کی

مری گزارش فقط ہے اتنی
عناد چھوڑو فساد چھوڑو
خدارا ذاتی مفاد چھوڑو
یہ نون وانصاف چھوڑ و سب کچھ
ہے سب سے پہلے وطن ہمارا
قبول جس کا نہیں خسارہ۔ قبول جس کا نہیں خسارہ

مجھے ڈر ہے

نجانے کون سا ڈر ہے
نجانے کون سی ضد ہے
یہ ڈر ہے یا کوئی ضد ہے
معما حل طلب ہے یہ
فقط ہے آرزو دل کی
کہ میں تاریخ کے ماتھے پہ چند الفاظ لکھ ڈالوں
جو بعد از مرگ بھی دنیا مرے اشعار دہرائے
مرے افکار کی ضو سے کوئی تبدیلی آجائے
یہی خواہش مرے دل میں بڑی ہلچل مچاتی ہے
مجھے مجبور کرتی ہے قلم سے جو بھی میں لکھوں
وہ حق کی ترجمانی ہو
کہ آنے والی نسلیں بھی مجھے دوشی نہ ٹھہرائیں
وہ باتوں میں نہ یہ کہہ دیں بکاؤ تھا ہوس کا مارا شاعر تھا
مجھے ڈر ہے
کہ محنت فیض و جالب کی کہیں زائل نہ ہو جائے
جو تھا اقبال کا شاہیں کہیں پھر سے نہ سو جائے

مجھے ڈر ہے
کہ نسلِ نو ترے بچے مرے بچے
جو بعد از مرگ قبروں پر دعا کے واسطے آئیں
وہ جیون سے نہ تنگ آ کر لحد پر تیری اور میری
کہیں جوتے نہ دے ماریں
کہ کیسے دیس میں تم نے دیا ہے آشیاں ہم کو
ہزار اس سے تو بہتر تھا نہ پیدا ہی یہاں ہوتے
نہ یہ حالات ہم تکتے نہ ایسے پھوٹ کر روتے
یہ اپنا دیس ہے لوگو
مرے اسلاف نے اس کے لیے قربانیاں دی ہیں
لہو اپنا بہایا ہے بہت سا رنج اٹھایا ہے
تو کیسے بھیڑیوں کے ہاتھ میں اپنا وطن دے دوں
جسے خوں تک پلایا ہے
وہ سارا ہیں چمن دے دوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے
تباہی رب کی جانب سے مقدر میں لکھی جائے
کوئی اقدام کر ڈالو جو باقی تن میں ہیں سانسیں
وطن کے نام کر ڈالو۔ وطن کے نام کر ڈالو

درندوں کو فنا کر دو

(سانحہ APS کے حوالے سے لکھی گئی نظم)

یہ لت پت خون میں لاشے
جنازے یہ شہیدوں کے
مرے یہ پھول سے بچے
حصولِ علم کی خاطر گھروں سے اپنے نکلے تھے
کہاں معلوم تھا ان کو
کہ اٹھتا ہر قدم ان کا بقا سے دور کر دے گا
کہ بے بس ماں کی آنکھوں سے وہ بچہ دور کر دے گا
کہا تھا بار ہا میں نے
ہیں وحشی طالباں لوگو
جو لے کر نام مذہب کا ہمیں بدنام کرتے ہیں
جو کر کے قتل بچوں کو عجب پیغام دیتے ہیں
درندہ شکل بزدل ہیں مسلتے ہیں جو کلیوں کو
شریفو اور زرداروسنو عمران خاں تم بھی
مخاطب ہوں میں تم سب سے
تمہارا وعدہ ہے ہم سے وطن کی پاسبانی کا

ہماری ترجمانی کا
سنو ہاں غور سے سن لو
سیاست کی شہیدوں پر لچک تھوڑی بھی دکھلائی
اگر بدلا موقف کو
قسم ہے ربِ کعبہ کی
خدا کے روبرو ہو کر
گواہی ظلم کی محشر میں سب کے سامنے دوں گا
یہی اطفال ہونگے اور گریباں ہوگا تم سب کا
تو اب اس خون کا بدلہ
ہوا ہے فرض تم سب پر
لہو ان میرے بچوں کا ہے بھاری قرض تم سب پر
شجاعت اپنی دکھلاؤ قیادت اپنی منواؤ
نظر ہے قوم کی تم پر تمہارا ساتھ ہم دیں گے
جنہوں نے ماں کی گودوں کو اجاڑا ہے بے دردی سے
لگا کر نعرۂ حق کو مٹا دو ان درندوں کو
وطن کا حق ادا کر دو
درندوں کو فنا کر دو
درندوں کو فنا کر دو

انتباہ

عدو یہ بھول بیٹھا ہے
جو میرے خُوں کا پیاسا ہے
یقیناً بھول بیٹھا ہے
عطا کرتا ہے جو سانسیں وہ جینے اور مرنے کا تعین بھی تو کرتا ہے
عدو یہ بھول بیٹھا ہے
کہ اس کے وار کی ضربیں اُسی کے جسم پر اک دن نمایاں ہو کے تڑپیں گی
سو میرے دُکھ کے بدلے وہ یقیناً سکھ گنوائے گا
گلی کوچوں میں پھر کر ظلم کا ماتم منائے گا
جو مجھ پر بار لادا تھا اُسے وہ خود اٹھائے گا
عدو اب حوصلہ رکھنا
تم اپنا دل بڑا رکھنا
تم اپنا دل بڑا رکھنا

بشر کو آزماتا ہے

خدا تحریریں لکھتا ہے
جسے ہم تم مقدر کا لکھا گردانتے ہیں
ہاں خدا تحریریں پڑھتا ہے
جو ماتھے پر ہوں آویزاں
دلوں میں جو پنپتی ہوں
جو ہاتھوں کی لکیروں میں کسی کل کا پتا دیتی نظر آئیں
کسی بھی خواب کی تکمیل ہوگی کن شرائط پر
مسافت مختصر ہوگی یا اس کو طول دینا ہے
وہ حتمی فیصلہ کر کے
فقط ہر فیصلے کے ساتھ لفظِ کُن لگاتا ہے
کسی کو روک لیتا ہے کسے ہر دم بھگاتا ہے
فلک پر بیٹھ کر ماجد ہمیشہ حظ اٹھاتا ہے
بشر کو آزماتا ہے۔ بشر کو آزماتا ہے

گزارش

غموں میں غرق راتیں ہیں
بہت پُر درد باتیں ہیں
مری آنکھوں کے حلقوں کو
ذرا تم غور سے دیکھو
مری پُر خواب پلکوں کو
ذرا تم غور سے دیکھو
میں سونا چاہتا ہوں پر
مری آنکھوں کو عادت ہے
تری یادوں میں جگنے کی
اکیلے یوں سلگنے کی
میں آنکھیں بند کرتا ہوں
خیالِ یار سے ہٹ کر
سنو میں سو تو جاتا ہوں
عدم میں کھو تو جاتا ہوں
مگر اتنی گزارش ہے
مرے خوابوں میں مت آنا
مرے خوابوں میں مت آنا

نجانے کیسے ابھرے گا

نجانے کیسے ابھرے گا
تمنا کا مری سورج
میں اکثر سوچتا ہوں تو
عجب احساس ہوتا ہے
خیال آتا ہے یہ دل میں
نجانے خاک کے جیسے
ہوائیں جا بجا یونہی
بھٹکنا ہے مقدر میں
مری منزل کہاں گم ہے
مری آنکھیں ترستی ہیں
نویدِ صبح کو دیکھوں
مزہ آجائے جینے میں
خوشی کے آنسو پینے میں
خدایا میرے دل کی سُن
کرم کی انتہا کر دے
مجھے غم سے جدا کر دے
مجھے غم سے جدا کر دے

طوائف

طوائف نام پڑ جائے زمانے کی نگاہوں میں
کوئی عزت نہیں رہتی
حقارت کی نگاہوں سے
سبھی یہ رائے دیتے ہیں بڑی بدکار عورت ہے
بہت چالاک عورت ہے
مگر میں نے تو دیکھا ہے
بڑے اونچے گھرانوں کے جو مدہوشی کے عالم میں
طوائف کے ہی کوٹھے پر فقط تسکین کی خاطر
بہت سا وقت رہتے ہیں
جو مجنوں بن کے پھرتے ہیں
بظاہر تو معزز ہیں مگر باطن سے کھوٹے ہیں
میں آگے کچھ نہیں کہتا
تمہیں خود ہی پتا ہوگا گریباں میں ذرا جھانکو
حقیقت جان جاؤ گے

خوشی سے کوئی بھی عورت طوائف بن نہیں جاتی
سنو لاچار عورت پر زمانہ ظلم کرتا ہے
اشاروں پر سرِ محفل اسے ہر دم نچاتا ہے
مرا ہر لفظ جھوٹا ہے مری ہر بات جھوٹی ہے
مگر اتنا تو بتلاؤ
طوائف بن گئی کیسے
سرِ بازار عزت کی دکاں یہ سج گئی کیسے
مجھے تم قتل کر ڈالو مجھے سولی چڑھا دو تم
میں سچ سے باز آجاؤں
نہیں ایسا نہیں ہوگا
قلم کی روشنائی سے
ہمیشہ سچ ہی لکھوں گا
ہمیشہ سچ ہی لکھوں گا

کبھی سوچا نہیں تھا یہ

کبھی سوچا نہیں تھا یہ
ہوس کی آگ میں جل کر
بنا سوچے بنا سمجھے ضمیر اپنا ٹکوں میں بیچ ڈالوں گا
کبھی سوچا نہیں تھا یہ
اجل کو بھول جاؤں گا مرے افلاس کی صورت مرے بچوں کی بیماری
مجھے مجبور کر دے گی کہ احکامِ خداوندی پسِ پردہ میں ڈالوں گا
کبھی سوچا نہیں تھا یہ
اُڑان اپنے تخیل کی کبھی اونچا اڑائے گی
نئی دنیا دکھائے گی نئے سپنے سجائے گی
مگر دو وقت کی روٹی خیال آئے گا جب دل میں
تو میرے نفس کا شیطاں مجھے اس آسماں سے یوں
اٹھا کے نیچے پھینکے گا کہ میری ناصبوری کا
یہی انجام ہونا تھا لڑائی دین و دنیا کی
مجھے بدنام ہونا تھا

تخیل کے سبھی بادل اچانک چھٹ سے جائیں گے
میں روز وشب میں گم ہو کر وہ سب کچھ بھول جاؤں گا
وہی پھر زندگی ہوگی ہوس کی بندگی ہوگی
کبھی سوچا نہیں تھا یہ
کبھی سوچا نہیں تھا یہ

مشورہ

بوئے انفاس پر یاد حاوی ہوئی
وصل کی جھلکیاں جھلملانے لگیں
آنکھ سونے سے قاصر ہوئی ان دنوں
مجھ کو سونے کی تلقین مت کیجیے
نظم کی شکل میں درد بہنے لگا
اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھیے
لفظ میری جگہ کرب سہنے لگا
ایسی صورت میں یہ مشورہ مفت ہے
شب کی دہلیز سے تازہ نظمیں اٹھا
ریزہ ریزہ نہ کر کے بدن کو مٹا
ہو سکے یاد کو اپنی طاقت بنا
ہو سکے یاد کو اپنی طاقت بنا

زمین زادہ

مکیں فلک کے زمین زادے کی بات سن لے
خبر ہے مجھ کو تمہارے آگے حباب جیسے وجود میرا
سوال اتنا سا ہے خدایا کہ مجھ کو حساس کیوں بنایا
سوال یہ ہے منافقت سے بھری ہے مجلس
سوال یہ ہے کہ سکھ کی سانسیں نحیف جسموں سے کوچ کر کے
فضا میں یونہی بھٹک رہی ہیں
سوال یہ ہے جہان تیرا ہوس کے آگے جھکا ہوا ہے
سوال یہ ہے کہ حق کی چیخیں نکل رہی ہیں
سوال یہ ہے کہ کند ذہنوں کی بزم دانشوروں میں شامل ہوئی ہے جب سے
اجالے تیرہ شبی کا منظر دکھا رہے ہیں
سوال یہ ہے زمیں پہ آنے کا واقعہ بھی عجب معما بنا ہوا ہے
سوال یہ ہے زمیں کے اوپر گرا ہوا ہوں نجانے کب تک گرا رہوں گا
سوال یہ ہے ضمیر میرا قلم کے قبضے میں آ گیا ہے سوچ اگلنا تو فطرتی ہے
سوال یہ ہے زمین زادے فلک کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
صنم تراشی میں محو ہو کر خدا کو پتھر بنا رہے ہیں
یہ حشر سے قبل مان لیجے نئی قیامت اٹھا رہے ہیں
سوال یہ ہے ہر اک بشر کو پڑی ہے اپنی تو کیا قیامت کا سامنا ہے

زمین زادے کی باتیں سن کر اگر جو قدرت کو جوش آئے
تو در گزر کی روش خدایا نہ ترک کرنا
تری عطا ہے تری سخا ہے
کہ تو نے خود ہی شعور بخشا ہوا ہے مجھ کو
بس ایک حسرت نے ڈیرہ ڈالا ہوا ہے دل میں
مرے سوالوں کا مختصر سا جواب دے دے
کٹھن مسافت فگار پاؤں لیے ہوئے ہوں
دہن ہے زخمی لبوں کو اپنے سیے ہوئے ہوں
اب اور مجھ میں نہیں ہے ہمت
وجود کب تک بتا گھسیٹوں
سو جستجو کو تمام کر دے
مرا یہ چھوٹا سا کام کر دے
مرا یہ چھوٹا سا کام کر دے

امین وصادق کہاں کھڑے ہیں

سنا ہے تبدیلی آرہی ہے
پرانے چہروں سے تنگ آ کر
میں گھر سے نکلا ہوں ووٹ دینے
مگر یہاں پر عجیب صورت بنی ہوئی ہے
پرانے چہرے ہی دِکھ رہے ہیں
وہی لٹیرے جو کچھ ٹکوں کا سہارا لے کر
غریب کا حق خریدتے ہیں
وہی درندے جو بنتِ حوّا کو نوچتے ہیں
خدا نے جن کی بصارتوں اور سماعتوں پر
لگا کے مہریں نشانِ عبرت بنا دیا ہے

کہ دستِ رحمت سروں سے ان کے اُٹھا دیا ہے
انہی کے نعرے سماعتوں کو چڑا رہے ہیں
عجب قیامت لہو کے اندر اٹھا رہے ہیں
میں بے دلی کے حصار میں ہوں
میں ووٹ ڈالوں یا اپنی پرچی کو پھاڑ ڈالوں
سوال دل میں یہ آ رہا ہے
جو مجھ کو اندر سے کھا رہا ہے
امین و صادق کہاں کھڑے ہیں
امین و صادق کہاں کھڑے ہیں

میں ترے ساتھ ہوں

کیوں پریشان ہو
کتنی نادان ہو
لغو باتوں کو دل میں بساتی ہو کیوں
دل جلاتی ہو کیوں
خود بھی روتی ہو مجھ کو رلاتی ہو کیوں
زیست کٹ جائے گی
رات چھٹ جائے گی
پھر یہ افسردگی کیوں ہے دیوانگی
غم کے اوقات میں حوصلہ شرط ہے
زندگی کے لیے
جسم کا روح سے رابطہ شرط ہے

اک گزارش سنو
اشک کا آنکھ سے رابطہ توڑ دو
اس کی مرضی پہ اپنی خودی چھوڑ دو
جب بھی تنہائی میں سر کھجانے لگو
اپنی روداد خود کو سنانے لگو

یاد اتنا رہے
ہر قدم ہر گھڑی
میں ترے ساتھ ہوں
میں ترے ساتھ ہوں

گفتگو

کچھ لکیریں کھینچ کر
غم کو بہلانا پڑا
کرب تھا بکھرا ہوا
جسم سہلانا پڑا
ذہن و دل پر دوستو
نقش اک تصویر تھی
کس قدر دلگیر تھی
خامشی تھی چار سو
آئنہ تھا روبرو
عشق پر تھی گفتگو
رنج کے اوقات کی
شدتِ جذبات کی
ہجر کے لمحات کی
خود سے کُھل کر بات کی
خود سے کُھل کر بات کی

دیکھتا میں رہ گیا

درد رِسنے لگ گیا
جسم کی دیوار سے
لفظ نشتر بن گئے
اور بدن چھلنی ہوا
بے خبر نے دیکھیے
کیا حقارت دان کی
ہوں سراپا مطلبی
یہ مری پہچان کی
کرب میری روح کا
کیا نظر آتا اُسے
ہے حقیقت مختلف
کون بتلاتا اُسے
وہ مرے دل کا مکیں
چاند تاروں سے حسیں
شدتِ جذبات میں
جانے کیا کچھ کہہ گیا
دیکھتا میں رہ گیا، دیکھتا میں رہ گیا

زندگی بھی تنگ ہے

کیا لکھوں قرطاس پر
درد جو ہے لادوا
اس جہاں سے ماورا
چیختا ہے جا بجا
کہہ رہا ہے کیا سے کیا
دھڑکنوں کے شور میں
دب گئی ہیں سسکیاں
آہ بھی خاموش ہے
یہ جنوں کا دوش ہے
اے حسیں دل کے مکیں
ہر خوشی تیرے لیے
رتجگے میرے لیے
تو فقط آرام کر
اور قیامت عام کر
لفظ بھی بے چین ہیں
اور کرتے بین ہیں
خود سے جاری جنگ ہے
زندگی بھی تنگ ہے زندگی بھی تنگ ہے

یہ میرا ہی تو بیٹا ہے

بتاؤ کس کا بیٹا ہے
وہی جو گندگی کے ڈھیر پر بیٹھا ہے برسوں سے
وہی جو قبر کے کونے میں اپنا سر چھپاتا ہے
وہی جو نالے کے پہلو میں اکثر پایا جاتا ہے
وہی جس کا پکاریں نام سب قصداً جہاز اکثر
بتاؤ کس کا بیٹا ہے
زمانے سے جو تنگ آ کر الگ دنیا بساتا ہے
لگاتا ہے دھڑا دھڑ کش ہے اپنے واسطے خود کش
لٹا کر جسم و جاں اپنا سکوں محسوس کرتا ہے
نہیں جگ کی خبر جس کو نہ ہی رب سے وہ ڈرتا ہے
جسے ہے موت سے رغبت جسے مرنے کی ہے عادت
بتاؤ کس کا بیٹا ہے
وہ جس کی لاش پر مکھیاں خوشی سے بھنبناتی ہیں
زمیں پر بوجھ تھا لاشہ فضائیں گنگناتی ہیں
وہ جس کی ماں مصائب کو ہمیشہ گود لیتی ہے
وہ جس کی چیخ سینہ آسماں کا چیر دیتی ہے

بتاؤ کس کا بیٹا ہے
اگر انسانیت مذہب کا پیروکار ہے کوئی
بشر کا قرض اتارے گا لیے چادر پکارے گا
جو ننگے جسم لیٹا ہے
یہ میرا ہی تو بیٹا ہے
یہ میرا ہی تو بیٹا ہے

آفریں

آنکھ نشّہ بانٹتی
سُر لبوں میں جا گزیں
جسم اس پر دلنشیں
مسکراہٹ سرمگیں
دل کے ہر اک تار پر
چھیڑتی ہے راگنی
تیری اس تخلیق پر
مالکِ کُل آفریں
مالکِ کُل آفریں

بڑھاپا

بڑھاپا چھا گیا مجھ پر
سفیدی آ گئی سر میں
بدن لاغر ہوا میرا
کمر میں آ گیا خم بھی
کہ پتھر ہو گئی آنکھیں
سماعت بھی ہوئی مدہم
نجانے کب جوانی نے دیا دھوکا مجھے یارو
چلوں جب بھی زمیں پر میں
مری عادت میں شامل تھا
اکڑ کر پاؤں کو رکھنا پہاڑوں کو بھی سر کرنا
ذرا سی بات پر لڑنا انا کے واسطے مرنا
مگر لاچار بیٹھا ہوں بہت بیمار بیٹھا ہوں
نہاں الفاظ میں لوگو مرے جذبات کو سمجھو
میں جو کچھ کہہ نہیں پایا مری اس بات کو سمجھو
بہت سادہ کہانی تھی
بڑھاپا ہے جوانی تھی

گونج

کیسے میں ابتدا کروں کیسے ہو انتہا
ٹکرا رہے ہیں حرف سماعت سے بار ہا
آواز ایک گونجتی ہے جگ سے ماورا
باری کا انتظار ہے باری کا انتظار
کیسی عجب زمین پہ میرا ظہور ہے
سچ ہو رہا ہے قتل جہاں پر قدم قدم
اسناد بانٹتے ہیں جہاں کچھ فتاوی گر
میرا قلم وہاں پہ چلے تیر کی طرح
لپٹے گا تیرے پاؤں سے زنجیر کی طرح
سر پھٹ رہا ہے صورتِ حالات دیکھ کر
اک تھرتھراتی لو میں چھپی رات دیکھ کر
کیا میرا نام آتا ہے بے حس وجود میں
کیا میں بھی جی رہا ہوں حدود و قیود میں
بے ربط سی سطور ہیں معلوم ہے مجھے
اذہان سے بھی دور ہیں معلوم ہے مجھے
بے سود اس جگہ پہ ہے خوں کی سبیل بھی
دم توڑنے لگی ہو جہاں پر دلیل بھی

لیکن میں انتظار کروں اپنی موت کا
چیخ و پکار بھی نہ کروں ہاتھ باندھ لوں
میرے قلم میں اتنی روانی تو ہے عدو
تو کیسے جاں گنوائے گا منظر تراش دوں
میں نے تو اپنا فرض نبھانا ہے بار ہا
نقشہ ستم کا تازہ دکھانا ہے بار ہا
اور تیرا کام تیر چلانا ہے بار ہا
اور تیرا کام تیر چلانا ہے بار ہا

کرب

خدایا روح کے اندر
نجانے کب سے ڈیرہ ڈال کر بیٹھی ہے بے چینی
جو کوئی کام میرا ڈھنگ سے ہونے نہیں دیتی
خدا جانے مری بے ربط سی سانسیں مجھے کب تک ستائیں گی
مرے خوں کو جلائیں گی
رچا آہوں کے اندر کرب سمجھے گا فقط شاعر
جو لفظوں سے جڑا ہوگا
جو تنہا خود کھڑا ہوگا
جو تنہا خود کھڑا ہوگا

ہُنر

جب وجودِ ناتواں بھی حادثوں میں گھر گیا
اور گراں لگنے لگی ہر آتی جاتی سانس بھی
تب درونِ ذات سے آنے لگی یا رو صدا
بے یقینی کی فضا میں سانس لینا ہے ہُنر

لمحہ

دلِ مضطر کی حالت کو
سیہ کاغذ پہ لکھوں گا
نہ تم کو کچھ سمجھ آئے
نہ ہی میرا لکھا نوحہ
مجھی سے خود پڑھا جائے
خرد کی کشمکش میں پھر
بلا کا غم اتر جائے
یہ لمحہ بھی گزر جائے
یہ لمحہ بھی گزر جائے

مرا ہر لفظ گھائل ہے

وہ کم کم بولنے والی
نہ لب کو کھولنے والی
کہاں وہ ڈھول جیسی ہے
سراپا پھول جیسی ہے
تمہیں بتلاؤں کیا ہے وہ
نسیمِ صبح کا جھونکا تر و تازہ ہوا ہے وہ
ہے گویا مصرعِ اولیٰ
کہ جس کے بعد شاعر کی بڑھے جاتی ہے بے چینی
کہ جب تک مصرع ثانی نہیں آتا تخیل میں
تصور نامکمل کا مکمل ہو نہیں پاتا
وہ رہتا ہے تذبذب میں عجب لے میں عجب ڈھب میں
فقط اک حادثے نے کل ہلایا تن بدن میرا
پھر اس کے بعد کا منظر میں کیا تحریر میں لاؤں
بس اتنا ہی سمجھ لو تم قلم لکھنے پہ مائل ہے
مرا ہر لفظ گھائل ہے
مرا ہر لفظ گھائل ہے

اضطراب

پریشاں ہوں میں کل شب سے
فصیلِ ذات کے اندر یہ کیسا شور برپا ہے
نجانے روح پر میری یہ کیسا بوجھ طاری ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا
ہے ایسی قلب کی حالت تڑپتا ہے مچلتا ہے
مگر میرے مطابق تو میں دعوی کر نہیں سکتا
میں زندہ ہوں یا مردہ ہوں
عجب بے کیف منظر ہے نہ کوئی گھر نہ ہی در ہے
تلاشِ رزق نے مجھ کو کہاں پہ لا کے چھوڑا ہے
کسی بھی غیر کے در پر نگوں سر کر نہیں سکتا
میں زندہ مر نہیں سکتا
مخالف اب انا کے میں نہیں میں چل نہیں سکتا
جو لکھا تھا وہ ہونا ہے حقیقت مانتا ہوں میں
کہ لکھا ٹل نہیں سکتا
کہ لکھا ٹل نہیں سکتا

اشارہ

فلک پر چاند ہو روشن
تو دنیا دیکھ لیتی ہے
خبر سب کو ہی ہوتی ہے
سو ایسے ہی مری جاناں
ترے کوچے سے جب گزرا
خبر ہو جائے گی تجھ کو

عکس

وصل کی حسرت لیے
رات کی دہلیز پر
خامشی کا رقص تھا
اور تیرا عکس تھا
اور تیرا عکس تھا

کوئی انساں نہیں بنتا

بدن کو نوچتے کتے
عیاں وحشت ہے چہروں سے
ہیں دعویدار عظمت کے
بضد ہیں ایک نکتے پر
بشر ان کو جہاں مانے
مگر کیوں بھول جاتے ہیں ہوں خدوخال انسانی
ہوس رکھے جو لافانی
صفت حیوان جیسی ہو
نظر شیطان جیسی ہو
کوئی انساں نہیں بنتا
کوئی انساں نہیں بنتا

فٹ پاتھ

داستانِ الم
بے گھروں کے مسائل سے لبریز ہے
دکھ جنوں خیز ہے
ایک آسودہ تَن کب سمجھ پائے گا
اک ٹھٹھرتے ہوئے جسم کی سختیاں
کرب اُتارے گا قرطاس پر بس وہی
جس کو گھر اور فٹ پاتھ کی
نیند کا فرق معلوم ہو

المیہ

میں اپنے خون کے دھبے بتا ڈھونڈوں کہاں جا کر
گواہی کارگر کوئی مرے حق میں نہیں ہوگی
سبب تم کو بتاتا ہوں
کسی کی شوخ نظروں نے کیا ہے قتل چپکے سے

تو کیا اب کچھ نہیں ہوگا

کوئی سنی کوئی شیعہ
وہابی اور دیوبندی
نمایاں کتنے فرقے ہیں
ہے مومن جسم کی مانند یہ سب خواب لگتا ہے
مسلماں ہونے کا دعوی کہیں آخر میں آتا ہے
نظر دوڑاؤ برما پر
اتارو فرقے کی پٹی
تمہاری مائیں بہنیں ہیں
تمہارے ہی تو بھائی ہیں
جہاں انسانیت بھی شرم سے اب پانی پانی ہے
جہاں پر مشرکوں نے خون کی ندیاں بہا ڈالیں
جہاں کافر کی سلطانی کرے مشرک بھی من مانی
کوئی زندہ جلاتا ہے
کوئی خنجر چلاتا ہے
ارے معصوم بچے سے
کوئی سجدہ کراتا ہے
مگر مومن مرا دیکھو

فقط آنسو بہاتا ہے
قدم آگے بڑھاتا ہی نہیں پیچھے اٹھاتا ہے
فقط لفظوں کی بمباری دلیلوں کی شجرکاری
سکوں تم کو نہیں دے گی
ہے وقت اب کر دکھانے کا نہیں آنسو بہانے کا
اگر رتی برابر بھی ہے تم میں شرم کچھ باقی
قدم آگے بڑھاؤ تم صدائے حق لگاؤ تم
کہ اس سے پہلے میرا دل سوال ایسا بھی کر ڈالے
تو کیا اب کچھ نہیں ہوگا
مرا دل بھی ہو پھر گویا
نہیں اب کچھ نہیں ہوگا۔ نہیں اب کچھ نہیں ہوگا

میں کیسے دیس میں پیدا ہوا ہوں

میں ایسے دیس میں پیدا ہوا ہوں
جہاں ہر دوسرا ہی فلسفی ہے
نشانے پر ہمیشہ زندگی ہے
جہاں پر نکتہ چینی مشغلہ ہے
جہاں پر فتوی گھڑنا حادثہ ہے
فقط تعویذ ہی ردِ بلا ہے
جہاں ہر فرد کا اللہ سے بڑھ کر مولوی سے رابطہ ہے
جہالت کا انوکھا سلسلہ ہے
خود اب اندازہ کرلو دین اس کا کیا سے کیا ہے
میں ایسے دیس میں پیدا ہوا ہوں
جہاں ذہنی اپاہج گھومتے ہیں
خرد سے دور ہیں پر سوچتے ہیں
جہاں اندھے عموماً دیکھتے ہیں
بنا جانے حقائق بولتے ہیں
درندے بنتِ حوّا نوچتے ہیں
میں ایسے دیس میں پیدا ہوا ہوں
جہاں دانشوری بھی شعبدہ ہے

جہاں پر تیرگی بے انتہا
جہاں حساس ہونا بھی سزا ہے
جہاں ہر روز ہی محشر بپا ہے
میں ایسے دیس میں پیدا ہوا ہوں
جہاں پر خامشی میں زندگی ہے
دکھاوے کی جہاں پر بندگی ہے
جہاں پر خون میں لتھڑی صدی ہے
مسالک میں بٹی سب کی خودی ہے
میں ایسے دیس میں پیدا ہوا ہوں
حقائق جان کر شرما گیا ہوں
یہ کیسی دوڑ ہے گھبرا گیا ہوں
کہاں جانا تھا مجھ کو اور کہاں پر آ گیا ہوں
سوالوں کے کٹہرے میں کھڑا ہوں
نجانے خود سے کیا کچھ پوچھتا ہوں
میں کیسے دیس میں پیدا ہوا ہوں
میں کیسے دیس میں پیدا ہوا ہوں

تجھے آزاد کرتا ہوں

ہمارے قلب کی حالت کا تجھ کو بھی ہے اندازہ
تجھے معلوم ہے تیرے بنا میں جی نہیں سکتا
یہی میری ہے کمزوری تو جس پہ ناز کرتی ہے
عدو کے سامنے مجھ کو نظر انداز کرتی ہے
ہمارا حوصلہ تو بارہا کیوں آزماتی ہے
محبت کے مسافر پر بھلا کیوں قہر ڈھاتی ہے
اگر تیرا عقیدہ ہے ستم یونہی روا رکھنا
ترے پہلو کی حدت سے مجھے ہر دم جدا رکھنا
تو میرا فیصلہ سن لے نہیں اب فیصلہ سن لے
انا کو روند کر میں نے تجھے سر پر بٹھایا تھا
جہاں جس کا مخالف تھا وہ میں نے کر دکھایا تھا

مگر سن لو انا کا اب مری مجھ سے تقاضا ہے
مٹا دوں نقش تیرا دل کے کورے کاغذوں سے میں
تجھے سر پر بٹھایا تھا کہ جتنا سر چڑھایا تھا
سو اتنی زور سے تجھ کو اٹھا کر میں پٹخ دوں گا
نہیں تجھ سے کہا کس نے میں تجھ کو یاد کرتا ہوں
جو کرنا تھا نہیں مجھ کو دلِ ناشاد کرتا ہوں
میں دل کے بند کمرے سے تجھے آزاد کرتا ہوں
میں دل کے بند کمرے سے تجھے آزاد کرتا ہوں

امید

عرش کی دہلیز پر
کچھ دعائیں منتظر
کچھ صدائیں مضطرب
باریابی کے لیے
جو کریں گی فیصلہ
قطرۂ ناچیز کا
وجہِ تخلیق کا
آزمائش شرط ہے
لفظ کی چارہ گری
زخم کر دے مندمل
حرفِ کُن کے بادشہ
ہے لبوں پر اک دعا
قلب کو آرام دے
اور خوشیاں عام دے
اور خوشیاں عام دے

متفرق اشعار

جب عدالت ہی عدل بیچے گی
آہیں نکلیں گی گولیاں بن کر

تاثیر مانگتے ہو گر اپنے کلام میں
نسخہ لکھو شکم کو بچاؤ حرام سے

قسمت کو پیٹتا ہے اندھیرے میں بیٹھ کر
جرأت نہیں کہ روشنی کا سامنا کرے

مجھ سے فراقِ یار کی لذت نہ پوچھیے
ہر لمحہ نظم کہتا ہوں اس کے خمار میں

ماتھا میں تیرا چوموں گا اٹھ کر مرے حریف
پہلے تو میرے نقشِ کفِ پا تلک تو آ

کب تک میں اپنے آپ سے چھپتا پھروں گا یوں
اے گردشِ مدام مجھے مت ذلیل کر

سامع ہوں آجکل میں خود اپنے کلام کا
سو تیری واہ واہ سے میں بے نیاز ہوں

دل سے نکال کر تجھے پٹخنا زمین پر
مشکل تھا کتنا فیصلہ لیکن میں کر گیا

ذرا سی دیر کو غافل ہوا تھا حکم ربی سے
سزا ایسی ملی اب تک زمیں پر رینگتا ہوں میں

مانا کہ ساتھ ساتھ ترے چل رہا ہوں میں
لیکن مری ہے منزلِ مقصود مختلف

اُس زلفِ بے نیاز میں اٹکا ہوا ہے دل
ڈر ہے کہ اب کی بار کوئی حادثہ نہ ہو

تیری تصویر دھوپ میں رکھ کر
تیرا سایہ تلاش کرتا ہوں

واعظ نے بیچ ڈالا ہے دینِ محمدیؐ
لگتا ہے اب امام کی آمد قریب ہے

سن کر بلا کی ریت پہ لاکھوں ستم کے بعد
ترکِ نماز جو نہ کرے وہ حسین ہے

وقتِ اجل لبوں پہ تھا رقصاں تمہارا نام
مرنے سے قبل معجزے کا انتظار تھا

جب تک انا کے باب کا حصہ رہوں گا میں
لڑنا پڑے گا مجھ کو اکیلے محاذ پر

طوفاں کا پیش خیمہ ہیں خاموش لب ترے
ڈرتا ہوں اس لیے ہی تری خامشی سے میں

جینے کی آرزو میں لڑا موت سے بہت
آخر شکست مجھ کو دی مٹی کے ڈھیر نے

لگتا ہے خاک خاک میں پائے گی کچھ سکوں
اس واسطے ہوں اصل کی جانب رواں دواں

مرے خیال کی وسعت کو نوچنے والو
مرے چراغ سے دنیا دوام پائے گی

نظر انداز کرنے والے سن لیں
مجھے تاریخ لکھے گی مسلسل

اک سانس میں سمیٹ لوں صدیوں کا فاصلہ
اے ربِ کائنات کوئی اہتمام کر

اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا کب سے شکار ہوں
لیکن نظر میں آتا ہوں تجھ کو ہرا بھرا

اس کے پیچھے نماز پڑھنی ہے
فرقہ بندی سے جو مبرا ہو

اس بار مجھ کو غم نہیں خوشیاں عطا کرو
ہر بار میری ذات ہی مشقِ ستم ہو کیوں

کھایا ہے شب و روز ترے در کا نوالہ
میں پیش نہیں کرتا کوئی اور حوالہ

فکرِ دنیا میں پھنسا ہوں
شاعری کیا خاک ہو گی

روز و شب رنج و الم کا سلسلہ درپیش ہے
مثلِ یوسف ہو رہا ہوں کیا کہیں مسند نشیں

شجرہ ہے منسلک مرا شاہوں کی آل سے
رہتا ہے تاج و تخت ہمیشہ گمان میں

حُبِّ نبی میں گوندھا ہوا جب وجود ہو
مٹی کی کیا مجال مرے جسم کو چھوئے

تجربے میں بھی کرتا نئے سے نئے
مار ڈالا مجھے وقت کی قید نے

تھامے ہوئے ہیں کس لیے افلاک بے سبب
نیچے گرا کہانی چلا حشر کر بپا

خون بن کر بہہ رہی ہے اب محبت جسم میں
کم زیادہ کے متعلق میں نہیں کچھ جانتا

اس سے پہلے کہ بوجھ بن جاؤں
دے اجازت مجھے جدائی کی

ہمارے ساتھ کوئی کیا چلے گا
ہم اپنے آپ سے اُلجھے ہوئے ہیں

میں جو کمند ڈالتا ہوں عرش پر ترے
تاثیر ماں کے دودھ کی ہے اور کچھ نہیں

ہر دم فضا میں رقص پرندوں کا ہے اٹل
میں چاہتا ہوں خواہشوں کو پَر لگے رہیں

اپنے لہو سے سینچتا ہوں شعر کی زمیں
تخلیق چھین لیتی ہے آنکھوں سے نیند بھی

میں مر رہا تھا اور مرے عہد کے ادیب
تصویر لے رہے تھے مری بے بسی کے ساتھ

مجھ کو بتا نہ عشق کی واعظ تو سختیاں
چلتا ہوا میں عین سے آیا ہوں قاف تک